خودی کا سر نہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سجاد انور انمول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا

سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالی سے دعا ہے کہ مجھے وہ سب کچھ سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے جو میں سمجھانا چاہ رہا ہوں اور قارئین کو وہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے المختصر اللہ ہم دونوں کے حال پر رحم فرمائے۔ (آمین)۔

تعارف و مقصد تحریر:۔

یہ بات میں اپنے تئیں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کے اس طرح مرتب شدہ انداز میں پیش کرنے کا مقصد واضح کیا جائے اور میں نے اسکی ضرورت کیوں محسوس کر کے یہ تحریر کرنے کی کم از کم کوشش کی ہے۔ تو معاملہ یہ ہے کہ جب میں کالج دور سے گزر رہا تھا اس وقت میری مشاہدہ کی حس قدرتی طور پر تیز ہو چکی تھی، ایک طرف میں اپنے معاشرے کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا اور دوسری طرف اپنے اندر جھانک جھانک کر دیکھ رہا تھا کہ میرے کیا احساسات ہیں اور کیا جذبات ہیں اور پھر یہ احساسات اور جذبات کیا میرے اندر خود سے پیدا ہوئے یا معاشرے کے عوامل نے میرے اندر بگاڑ پیدا کر کے میرے خیالات و نظریات کو آلودہ کر دیا ہے، یہ وہ دور تھا اور اب بھی ہے کہ نوجوان گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے کلچر میں مشغول ہیں اور اسکو اپنانا اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں اور میں ایسا نہیں سمجھتا تھا اور اب بھی نہیں سمجھتا تو کیا وجہ ہے کہ میں ایسا نہیں سمجھتا، کیا میں پاگل ہوں یا یہ لوگ باولے ہوئے جاتے ہیں اور اس سب کش مکش میں دیگر نفس کے عوامل بھی کھُل کر میرے سامنے آ کر وارد ہوئے کہ محض شہوانی خواہشات ہی نہیں بلکہ دیگر نفسیاتی امراض میں بھی ہمارا معاشرہ مبتلا ہے جس سے لوگ لاعلم ہیں کہ انہیں کیا عارضہ لاحق ہے۔ اور یہی چیز مجھے بار بار شدت سے اس چیز کا احساس دلاتی رہی ہے کہ کیسے، آخر کیسے لوگوں کو اس عارضہ سے نکالا جائے، یہ جو خود کے غلام ہو چکے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع تمام تر شب و روز گزارتے چلے جا رہے ہیں تو کیسے ان کو اس سے آشکار کیا جائے اور ان کو انسانیت کے اس عظیم مرتبہ "اشرف المخلوقات" پر فائز ہوں کہ جس پر ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ نفسانی خواہشات سے میری مراد محض شہوانی خواہشات نہیں ہیں، "شہوت" نفس انسانی کا ایک پہلو یا گوشہ ضرور ہے لیکن نفسانی خواہشات کی ایک طویل فہرست ہے جو اس تحریر میں انشاء اللہ زیر بحث لائے جائیں گے۔

قدرت نے یہ بھی نوازش کی کہ جب میں Self-Analysis کر رہا تھا اور میرے تخیلات کے گھوڑے جب دوڑ لگاتے تھے تو ان کے طے کیے ہوئے فاصلے اور اس دوران آنے والے تمام تر خیالات، سوال و جواب کو قلم کی نوک سے گزارتا گیا اور کالج میں اردو کی کتاب "سرمایہ اردو" کے اکثر صفحات اور حاشیہ پر میں نے نوٹ تحریر کیے جو کچھ عرصہ بعد میں نے خود بھی ملاحظہ کیا تو ششدر رہ گیا کہ اچھا یہ وہ باتیں تھیں جو مجھ پر آشکار ہوئی تھیں اور جس کے نتیجہ میں میرے قول و فعل میں تضاد ختم ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ جس طرح میں نے یہ سب عوامل ضبط تحریر میں لا کر خود کی اصلاح کی تو ضروری ہے کہ وہ سب مزید مزین کر کے قارئین کی نذر کر دیئے جائیں کہ کچھ استفادہ ہو سکے۔

اس تحریر میں وہ سارے عوامل جو اُس وقت میں نے نوٹ کیے اور جو بعد میں میرے علم میں آئے، نفس انسانی کے پہلو / گوشے جن سے میری آشنائی ہو پائی ہے اور جس ترتیب سے میں احسن سمجھتا ہوں کہ ان کو سمجھا جائے تو انسان خود کو، دوسرے انسانوں کو، پوری کائنات،

وجود کائنات کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہے، مرتب کیا گیا ہے۔ ترتیب کے معاملے میں کسی انسان کو اختلاف ہو سکتا ہے مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ نفس کے ان پہلوؤں کو سمجھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ انسان کے لیے شکم بھرنا۔ جس طرح انسان کو معلوم ہے کہ پیٹ کی اشتہا کھانا کھا لینے سے مرتی ہے تو اسی طرح جب تک انسان اپنے نفس کو سمجھ کر پھر اس سے لڑنے اور اسکا تدارک اور سدباب نہ جان لے وہ اسکی مسلسل اشتہا میں مبتلا رہتا ہے لیکن اسکی بھوک نہیں مرتی حتیٰ کہ اسکی اسی اشتہا کی غلامی کے اندر موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ جہان فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔ "مقصد تحریر" ظاہر ہے مکمل تحریر پڑھ لینے کے بعد اسکے اثرات سے انشاءاللہ واضح ہو گا۔ فی الوقت تمہیدی کلمات میں اسی پر اکتفا کر لینا میں بہتر سمجھتا ہوں۔

سجاد انور انمول

فہرست مضامین / ابواب

01۔وجود انسانی:۔

میں اورآپ اور کسی بھی انسان کا معاملہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ تو جواب یہ آتا ہے کہ جب اسکا وجود عمل میں آتا ہے یعنی کوئی بھی جیتا جاگتا شخص آپ کو نظر آتا ہے تو اس کا اس دنیا میں ایک وجود (Physical Existence) ہے جو عمل میں آیا ہے اور اسی طرح میرا اور آپ کا بھی اس دنیا میں ایک وجود ہے جو عمل میں آیا ہے اور ہم اس دنیا میں موجود ہیں۔

تواب سوال یہ ہے کہ ہمارا یہ وجود کہاں سے آیا ہے؟

یعنی میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟

جواب میں انسان کی عقل اور عقل کے زیر سایہ منطق کی کسوٹی کو بنیاد بنا کر سامنے آنے والا علم "سائنس" اسے یعنی انسان کو یہ بتاتا ہے کہ ہمارا یہ وجود کروموسومز / نطفہ کے ملاپ سے وجود میں آیا ہے۔ تو چلو مان لیتے ہیں جی کہ بالکل کروموسومز سے ہی کسی بھی ذی الروح کا وجود ظہور پذیر ہوتا ہے۔

تو پھر اب سوال یہ ہے کہ دنیا میں کتنے ایسے میاں بیوی / شادی شدہ جوڑے ہیں جو اولاد کو ترستے ہیں؟ حالانکہ کئی ایک کے تو کروموسومز اور جنسی خلیات کا معائنہ کرانے پر وہ دونوں بالکل صحت مند ہوتے ہیں لیکن اسکے باوجود انکے ہاں اولاد نہیں ہوتی اور وہ اولاد جیسی نعمت کے لیے دعائیں مانگتے اور منّتیں مان رکھتے ہیں تو ایسی کیا وجہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی؟ یہاں انسانی عقل کیا کہتی ہے؟ آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا توجیہہ ہے آپ کے پاس؟ کیوں؟۔۔۔۔۔۔

اوہ بھائی! تم پھر وہی کہتے ہو کہ انکے کرموسومز کا ملاپ نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ بھائی کیوں نہیں ہوتا؟ عقل کی منطق اور سائنس کے مطابق تو رحم مادر کے اندر صحت مند نطفے کا ملاپ ہو جانا چاہیے نا!!! پھر کیوں نہیں ہوتا؟

اوہ میرے بھائی! میں پھر کہتا ہوں، تم مشاہدہ نہیں کرتے اپنے معاشرے کا؟ کتنے لوگوں کے ہاں ڈاکٹروں کے چکر لگانے پر کروموسومز تندرست و توانا ہونے کے سرٹیفکیٹ مل جانے کے باوجود کافی عرصہ تک اولاد نہیں ہوتی؟ پھر اچانک ان میں سے کسی کے ہاں اولاد ہو جاتی ہے تو کسی کے ہاں پھر بھی نہیں ہوتی؟ کسی کے ہاں بیٹا ہوتا ہے تو کسی کے ہاں بیٹی؟ کیوں؟

یعنی میں یہ سوال اٹھا رہا ہوں کہ آپ جن کرموسومز سے پیدا ہوئے ہیں تو اس وقت کیوں ایسا نہیں ہوا کہ کروموسومز کا ملاپ ہی نہ ہوتا؟ اور آپ کا وجود اس دنیا میں آج سرے سے ہوتا ہی نہیں؟؟

تو میں کہتا ہوں کہ تم خود سے ایسے پیدا نہیں ہو سکتے تھے کہ بس کروموسومز مل جاتے اور تم پیدا ہو جاتے۔ بلکہ وہ کرموسومز / نطفہ کسی خاص قوت اور طاقت کی طرف سے اجازت کا مرہونِ منت تھا جب اسکو اجازت ملی تب جا کر تمھارے والدین کے کرموسومز ملے وگرنہ کتنے ہی کرموسومز گٹروں کے اندر پانی میں بہہ رہے ہیں اور وہ کسی انسان کے وجود کی صورت میں ظہور پذیر نہیں ہوئے ہیں، تو وہی قوت جو ان کروموسومز کو بھی کنٹرول کرنے کا اختیار رکھتی ہے یہی وہ قوت ہے Devine Authority ہے، جو خالق ہے، پیدا کرنے والی ذات ہے، جس

نے آپ کو پیدا کیا ہے، مجھے پیدا کیا ہے اور اس ساری دنیا میں بسنے والے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ یعنی میرا وجود اور آپ کا وجود اس دنیا میں عمل میں آیا نہیں ہے بلکہ عمل میں لایا گیا ہے۔

اور اگر پھر بھی تم یہی کہتے ہو کہ نہیں میرے والدین نے ہم بستری کی اور کروموسومز کے ملاپ سے میں پیدا ہو گیا، تو میں کہتا ہوں کہ یہی تمھارے ماں باپ ہی آج سے 100 سال یا 200 سال پہلے کیوں نہ پیدا ہو گئے ؟ یا انکے بھی ماں باپ پہلے کیوں نہیں پیدا ہوئے ؟

یا اس سے بھی تمھارے دماغ کو سمجھ نہیں آ رہی تو یہ بھی پوچھ لو نا! اپنی عقل سے کہ میرے ماں باپ پیدا ہی کیوں ہوئے ؟ عقل کو تو بہت شوق ہے منطق نکالنے کی تو وہ اب ڈھونڈ کر لائے گی جواب تمھارے سامنے۔ نہیں، اپنی عقل سے یہ بھی پوچھو کہ میرے ماں باپ کے بھی ماں باپ کیونکر میرے ماں باپ کی پیدائش تک بچے رہے ؟ دنیا میں اتنے حادثات و اتفاقات ہوتے ہیں، تو مجھ سے لے کر آدم (ع) تک میرے آباواجداد میں کسی کے ساتھ کیونکر ایسا حادثہ نہیں ہوا کہ یہ لڑی ٹوٹ جاتی اور میں پیدا ہی نہ ہوتا؟ تو اس سب کا ایک اور بھی تو مطلب نکلتا ہے ؟ وہ کیا ہے ؟ تو اسکا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ آدم سے لے کر مجھ تک لڑی، جو چلی آ رہی ہے اس سب کی کوئی حفاظت کر رہا تھا؟ نہ جانے کتنی لڑیاں ایسی ٹوٹ چکی ہیں، تو یہ محض دو اشخاص یعنی میاں بیوی کے ملاپ کا اور کروموسومز کے مل جانے کا کھیل تو نہیں ہے!

میں تو کہتا ہوں کہ جی ہاں! آپ کا اور میرا اور کسی بھی انسان کا وجود ایک خاص وقت کا مرہون تھا کہ جب اسکا وقت مقررہ آیا تب ہی اسکا وجود اس دنیا میں عمل میں آیا، میں جو اس وقت اس دنیا میں ہوں آج سے صدیوں پہلے کیوں اس دنیا میں نہیں آ گیا تھا؟ آپ جو اس وقت دنیا میں ہیں تو آپ دس سال پہلے یا چند لمحے دیر سے کیوں نہیں اس دنیا میں آئے ؟ بلکہ انسانی عقل کا علم تو کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص پیدا ہونے کے وقت دنیا میں آنے کی بجائے ماں کے رحم میں رہے گا تو مر جائے گا تو پھر یہ کیا ماجرا ہے، آپ تھوڑی دیر ماں کے رحم میں کیوں نہیں رک گئے جس طرح اس دنیا میں کئی بچے پیدا ہی مردہ حالت میں ہوئے! یعنی انکا وجود پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ تو ماجرا یہ ہے کہ یہ سب ایک وقت مقرر پہ ہونا تھا۔ ایک قوت اور طاقت ہے جو اس سب کو کنٹرول کرتی ہے کہ کسی انسان کا وجود کس وقت دنیا میں آنا ہے!

پھر مسئلہ یہاں رک نہیں جاتا! بلکہ بات آگے بڑھائی جائے تو آپ یہ بھی سوچیں نا! کہ آپ کے والدین کے ذریعہ آپ کا وجود اس دنیا میں ظاہر ہوا ہے اور آپ پیدا ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔ تو اگر آپ کے والدین کی شادی ہی نہ ہوئی ہوتی تو بھی آج آپ اس دنیا میں نہ ہوتے ؟؟ یا آپ کے والدین میں سے شادی سے پہلے ہی کوئی فوت ہو گیا ہوتا تو بھی آپ اس دنیا میں نہ ہوتے ؟؟؟ یہی نہیں بلکہ تصور تو کیجئے بابائے آدم تک ۔۔۔۔۔ اتنی جنگیں ہوئیں۔۔۔۔ تو کسی جنگ میں آپ کے آباواجداد میں سے کوئی اسکی اولاد پیدا ہونے سے قبل ہی قتل کیوں نہیں ہو گیا؟۔۔۔ حالانکہ ایسا ہو سکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تو کیا اتنے عرصہ سے یہ محض اتفاق تھا؟؟ اسکے برعکس کسی جنگ میں آپ کے اباواجداد میں سے کوئی کسی جنگ کے دوران قتل نہیں ہوا اور نسل آگے بڑھتی چلی آئی۔۔۔۔ تو یہ سب محض اتفاق تھا؟؟ کیا خوب اتفاق تھا؟ اسکے برعکس اتفاق کیوں نہ ہوا کہ آپ کے آباواجداد میں سے کیوں نہ کوئی ختم ہو گیا اور نسل کا سلسلہ رک کیوں نہیں گیا؟؟

تو ماجرا یہ ہے کہ نہیں ایسا ہونا طے نہیں تھا، بلکہ ایک خاص طاقت اور قوت یعنی Devine Authority کی طرف سے یہ طے تھا کہ آپ کے آباواجداد کی نسل چلے گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کا وجود اس دنیا میں ظاہر کر دیا جائے گا اور آپ کا وجود عمل میں لایا گیا، پھر

چاہے آپ کروموسومز کو ذریعہ سمجھیں، اپنے ماں باپ کو ذریعہ سمجھیں یا جو بھی سمجھیں مگر حقیقت یہی ہے کہ اس دنیا میں آنے والا ہر انسان ایک خاص وقت میں اس دنیا میں آیا ہے اور بغیر Devine Authority کی اجازت کے نہیں آیا ہے بلکہ اسکی اجازت سے ہی دنیا میں اسکا وجود ممکن ہوا ہے۔

تو حاصل یہ ہے کہ کوئی طاقت، ایسی کار فرما ہے کہ جو اس انسان کے وجود میں آنے یا نہ آنے کی اجازت دیتی ہے، آپ کو یہ زندگی اور یہ وجود بخشا گیا ہے، یہ وجود اور یہ زندگی عطا کی گئی ہے ایک Devine Authority کی طرف سے۔۔۔اور یہی Devine Authority خالق ہے، پیدا کرنے والی ذات ہے اور یہی اللہ کی ذات ہے۔

اب تک کی بحث کا حاصل سوال پھر یہ ہے کہ ہم نے یعنی میں نے اور آپ نے اپنے اس وجود بخشے جانے کا کبھی شکر ادا کیا ہے؟ اُس خالق کے سامنے جس نے ہمیں یہ وجود اور زندگی بخشی ہے؟؟

تو اپنا جواب آپ خود بہتر جانتے ہونگے۔۔۔۔ میرا جواب تو میں خود بہتر جانتا ہوں اور میں تو کہتا ہوں کہ میں خالق کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں، میں لاکھ کوشش کرلوں، اپنے خالق کا اس بات کا شکر ادا کرہی نہیں سکتا کیونکہ اس نے بن مانگے مجھے یہ زندگی عطا کردی ہے۔

یہاں تک تو ماجرا یہ ہے کہ آپ کا، میرا اور ہر کسی انسان کا ایک خاص وقت مقررہ میں اس دنیا میں وجود میں آنا ہی مقرر تھا، ہم نہ تو اس سے پہلے آسکتے تھے اور نہ ہی اسکے بعد، تو شکر ہے اس ذات کا جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہمارے پیدا ہونے کے اسباب پیدا کیے، اور پرورش کا سامان مہیا کیا، پھر صد شکر اس بات کا ہے کہ اس نے صحیح سلامت پیدا کیا ہے، کوئی عضو مفلوج نہ ہے، کوئی ذہنی ضعف نہ ہے تو یہ سب بھی پیدا کرنے والے کی مہربانی ہے کہ اس نے زندگی بھی بخشی اور پھر صحت مند جسم اور عقل جیسی نعمت سے بھی نواز دیا ہے۔

اب یہاں سے آگے جو تخیلات کا سفر ہے وہ اپنے جد امجد سے بھی اول کی دنیا اور کائنات کا تصور ہے۔یعنی آپ اپنے والدین کے ذریعہ سے پیدا ہوئے، میں اپنے والدین کے ذریعہ سے اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا ہوں، اسی طرح ہر انسان اس دنیا میں والدین کے ذریعہ سے اس دنیا میں آیا ہے، پھر آپ یہ سلسلہ نسب چلاتے جائیں تو آدم (ع) تک سلسلہ جاتا ہے جو سب نوع انسانی کے جد اول ہیں۔۔۔۔۔اب اس سے آگے پھر سوالات کے انبار کھڑے ہو جائیں گے؟ کہ آدم (ع) کہاں سے آئے؟؟ آدم (ع) سے پہلے دنیا میں کیا تھا؟ یا یہ دنیا تھی بھی یا نہیں؟ تو یہ دنیا کہاں سے وجود میں آئی؟؟

تو یہاں فی الوقت جو سب سے زیادہ جس سوال کے ساتھ میں بحث کرنا چاہوں گا وہ اوپر آنے والا آخری سوال ہے کہ تو یہ دنیا کہاں سے وجود میں آئی؟؟

یہاں سے انسانی عقل اور منطق کی بنیاد پر سامنے آنے والا علم انسان کو یہ بتاتا ہے کہ یہ دنیا اور کائنات کی پیدائش بگ بینگ BigBang کے نتیجہ میں اور انسان کی پیدائش بیکٹیریا کے ارتقاء Evolution کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔تو یہاں سے میرے تخیلات کے سوال شروع ہوتے ہیں۔۔۔یا آپ یہ کہہ لیں کہ میں پھر Counter Questions کرتا ہوں اس مرحلہ پر آکر۔۔۔۔۔

میرا یا میرے تخیلات کا کہہ لیں، اور اگر آپ نے پہلے یہ سوال خود سے یا سائنس سے نہیں کیا ہے تو آپ کو بھی میں تو کہتا ہوں کہ یہی سوال کرنا چاہیئے تھا۔۔۔۔۔۔سوال یہ ہے کہ اچھا! اگر آپ یا سائنس یا بگ بینگ تھیوری یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا/ کائنات ایک بڑے دھماکے Big Bang کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے تو یہ بڑا دھماکہ Big Bang کیسے ہوا؟

آپ کہتے ہیں یا نام نہاد سائنس جو کہ دراصل سائنس ہے ہی نہیں بلکہ ایک خود ساختہ من گھڑت جھوٹی کہانی ہے جو تھیوری کے نام پر پھیلائی گئی ہے اور جان بوجھ کر اسے سائنس کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، جسے Big Bang Theory کہا جاتا ہے، وہ پہلے کہتی رہی ہے کہ دو(۲) بڑے بڑے ستارے Stars یا اجسام آپس میں ٹکرائے جس سے بہت بڑا دھماکہ Big Bang ہوا، اور ان ستاروں کے ٹکڑے خلاء میں پھیل گئے جو آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہوئے اور اس طرح پر یہ کائنات / سولر سسٹم / دنیا / زمین وجود میں آئے۔۔۔۔تو پھر یہاں پر میرے تخیلات یہ سوال کرتے ہیں کہ کیسے ؟؟ آپ کو بہت عجیب لگے گا یہ سوال! کہ بھائی ابھی خود پچھلے فقرہ میں تو بتایا ہے کہ ایسے! تو یہ کیسا سوال ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نہیں! نہیں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ یا نام نہاد سائنسی مفروضہ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ دو بڑے بڑے ستارے آپس میں ٹکرائے۔۔۔ تو میں اور میرے تخیلات وہاں پہ یہ پوچھ رہے ہیں کہ دیکھو دو بڑے بڑے ستارے کیسے آپس میں ٹکرا گئے ؟؟؟ مطلب سوچنے کی بات ہے نا! یہ، اس دنیا اور کائنات کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہاں کئی ہزار برس سے ہمارے سولر سسٹم کے سیارے تو دور کی بات محض ایک ایٹم کے الیکٹرون اور نیوٹرینو Neutrinos اور Anti-Nuetrinos بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اپنا راستہ اور جگہ نہیں بدلتے۔۔۔۔یعنی جہاں اتنا چھوٹا سا ذرہ الیکٹرون بغیر بیرونی قوت کی مداخلت کے اپنا راستہ نہیں بدلتا ہے تو آپ یہ کیسے اتنی آسانی سے سائنس کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ دو بڑے بڑے ستارے آپس میں ٹکرا گئے ؟؟ نہ ہی سائنس یہ بتاتی ہے بلکہ سائنس کے علم کے مطابق ہی تو میں سوال کر رہا ہوں کہ اگر دو بڑے بڑے ستارے آپس میں ٹکرائے تو ان کو ٹکرانے کے لیے قوت Force کہاں سے میسر آئی تھی ؟؟؟؟ میرے تخیلات یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ محض ستارے ایسے ہی راہ چلتے ٹکرا گئے بلکہ میرے تخیلات میں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر بالفرض اسی مفروضہ کو درست مان بھی لیا جائے تو بھی اس مفروضہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی ایسی قوت اور اتنی بڑی قوت کارفرما تھی کہ جس کے نتیجہ میں اتنے بڑے ستارے آپس میں ٹکرا گئے اور آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ یہی وہ قوت ہے جو خالق کی طرف سے تھی اور یہ دنیا اور کائنات کو پیدا کرنے والی کوئی ذات موجود ہے، جو بہت بڑی ذات ہے، جس کی قوت سے نہیں بلکہ محض حکم سے ہی اتنے بڑے ستارے ٹکرا گئے اور یہ کائنات وجود میں آئی اور یہ کائنات بس خود سے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ ایک تخلیق شدہ چیز ہے جس کا کوئی خالق ہے، اور یہیں سے یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ آپ اور میں اس کائنات کو اتنا وسیع اور عریض مانتے ہیں تو اس وسیع و عریض کائنات کا خالق کیسا ہو گا، کتنا طاقتور ہو گا، کتنا بڑا ہو گا۔

پھر اس BigBang تھیوری نے نئی شکل اختیار کر لی اور یہ کہا گیا کہ نہیں دو اجسام نہیں ٹکرائے بلکہ پوری کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں، اجسام فلکیات، سورج، ستارے سیارے، میٹا سب کچھ ایک مرکز پر جمع تھا جو کہ ایک مرکزی جگہ پر ایک طرح کا دھماکہ ہوا، یہ دھماکہ عام بم دھماکے کہ طرح نہیں تھا بلکہ سارے کا سارا مادہ سیکنڈ کے بھی کچھ حصے میں بس ایک دم اچانک پھیل گیا اور یہ سارے اجسام پھیل گئے جو آج تک پھیل رہے ہیں اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ گلیکسیز روشنی کی رفتار سے بھی تیز پھیل رہی ہیں اور ہم ان کو مزید دیکھ بھی نہیں سکتے کیونکہ وہ روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے حرکت میں ہیں جس کے نتیجہ میں ہمیں صرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔

تو یہاں آکر پھر BigBang تھیوری کی نئی شکل بھی اس بات کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے کہ یہ دھماکہ کیوں ہوا، کیسے ہوا، اجسام فلکی اور سارامادہ ایک دم کیوں پھیل گیا؟؟ انسانی ذہن کے جو اصل سوال ہیں وہ ہیں اپنی تخلیق کا آغاز ڈھونڈنا، ہم اپنے آباؤاجداد کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے ہیں اور آباؤاجداد کی لڑی کو لے کر آدم (ع) تک اپنا سلسلہ نسب چلایا ہے، پھر اس دنیا کی تخلیق پر سوال ابھر آیا کہ آدم (ع) اس دنیا میں کہاں سے آئے؟ اور یہ دنیا کہاں سے آئی؟ تو ہم دنیا کہاں سے وجود میں آئی اسکے بارے میں انسانی منطق کے علم سائنس کے آج تک سامنے آنے والے شواہد کو دیکھ رہے ہیں، میرے نزدیک سائنس کا علم خالق کے راز جاننے کا نام ہے جبکہ کئی لوگ سائنس کی منطق کو بنیاد بنا کر گمراہ ہو جاتے ہیں، یہاں میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سائنس کی یہ آج کی BigBang تھیوری بھی ہمیں اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ یہ دنیا کیسے وجود میں آئی؟ کیونکہ BigBang تھیوری یہ تو بتا رہی ہے کہ ایک اچانک دھماکہ کی طرح کا پھیلاؤ ہوا expansion ہوئی لیکن یہ تھیوری یہ نہیں بتا رہی ہے کہ یہ پھیلاؤ کیوں ہوا یا expantion کیوں ہوئی؟؟ یہاں آکر پھر آپ کو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی ایسی طاقت کارفرما تھی کہ جس کے حکم کے تابع سارے کے سارے اجسام پھیل گئے اور یہ کائنات خود سے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ تخلیق شدہ چیز ہے۔ تاہم موجودہ BigBang تھیوری کی وجہ سے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو کہ بہت پیچیدہ ہونے کی وجہ سے آج کے کئی انسانوں کو سمجھ نہیں آتا اور وہ گمراہ ہو کر اپنے خالق اور اس کائنات کے خالق کو ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں کیونکہ انہیں معاملے کی سمجھ نہیں آپاتی ہے اور وہ مسئلہ ہے محدود اور لامحدود کا مسئلہ۔

☆مسئلہ محدود اور لامحدود اور عقل کی قیود، تخلیق کا سمجھ میں نہ آنا اور اسکی وجوہات:۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ہم بھول بیٹھتے ہیں کہ ہم بشر ہیں، بشریت تخلیق ہے اور جب تخلیق اپنے خالق کے سارے راز جاننے کی خواہش میں مبتلا ہوتی ہے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تخلیق ہونے کی وجہ سے وہ ایک تو خالق کے سارے راز جاننے کی متحمل نہ ہے دوسرے اسے سارے راز جاننے کی ضرورت نہ ہے تیسرے اسکی حدود و قیود ہیں جن سے بحیثیت بشریت وہ باہر جانے سے قاصر ہے۔ انسانی عقل لامحدود سے باہر کیسے جائے گی بھلا؟

یعنی آپ ایک لائن کھینچتے ہیں، اب اُس لائن کو شمال کی طرف بھی بڑھاتے جائیں بڑھاتے جائیں تو بالآخر آپ کہیں گے کہ یہ لامحدود ہے، اور پھر جنوب کی طرف اسی طرح بڑھاتے جائیں بڑھاتے جائیں تو بالآخر آپ کہیں گے کہ یہ لامحدود ہے اسی طرح آپ کسی بھی نقطہ سے کسی بھی سمت میں جائیں تو وہ راستہ عقل کے لیے بالآخر لامحدود ہے، یا پھر آپ جہاں بیٹھ کر یہ تحریر پڑھ رہے ہیں اسی جگہ سے شمال، جنوب، مشرق، مغرب کسی بھی سمت میں نظر دوڑائیں تو آپ کی نظر ایک حد تک سفر کرے گی پھر آپ کو یا تو آسمان نظر آئے گا یا رات کا وقت ہے تو اندھیرا نظر آئے گا یہاں تک آپ کی ظاہری نظر محدود ہو گئی کہ آپ اس سے آگے نہیں دیکھ سکتے، اس سے آگے آپ تصور کر سکتے ہیں اور اگر آپ تصور کر کے کسی بھی سمت میں دیکھیں گے تو فضا سے خلا تک سفر کرنے کے بعد خلا سے بھی آگے جا کر بالآخر آپ یہ کہیں گے کہ یہ سفر لامحدود ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا، تو اسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی عقل خود یہ تسلیم کرتی ہے کہ یہ کائنات لامحدود ہے اور اگر انسانی عقل خود یہ تسلیم کرتی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ پھر انسانی عقل خود ایک محدود چیز ہے، اسکی حدود و قیود ہیں، limitaions ہیں جن سے وہ باہر جا ہی نہیں سکتی یعنی انسان کی عقل یہ کہہ رہی ہے کہ یہ کائنات ہی لامحدود ہے اور اگر انسان کی عقل کے لیے یہ کائنات ہی لامحدود ہے تو پھر انسان کی عقل اس ساری کائنات (جو کہ انسانی عقل کو لامحدود معلوم ہوتی ہے) کے خالق کا کیسے احاطہ کر سکتی ہے اور اسکا

کیسے تصور کر سکتی ہے ؟؟؟اب اس لا محدود سے باہر کیا ہے ؟؟یعنی عقل کہتی ہے لا محدود ہے تو اب لا محدود سے باہر عقل جا ہی نہیں سکتی یعنی اسکی اپنی ایک حد اور قید ہے جس سے عقل باہر ہی نہیں نکل سکتی تو اس لا محدود سے آگے ایک ہی زاد راہ ہے اور وہ ہے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی حدود و قیود کو تسلیم کرنا،اپنی limitaions کو جان لینا اور ان کو تسلیم کرنا،ویسے تو بہت لوگ آج کی اس دنیا میں حقیقت پسند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہاں آکر اصل حقیقت عیاں ہوتی ہے اور کسی بھی حقیقت پسند شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی عقل کی حدود و قیود کو تسلیم کرنے سے انکار کرے بلکہ اس کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ اسکا خالق اِس لا محدود کائنات کے پار ہے That is beyond infinity جس کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی ہے، تو گمراہ ہونے والے یہاں تخلیق و خالق سے منکر ہو جاتے ہیں جبکہ ایمان لانے والے اپنی حدود و قیود کو تسلیم کرتے ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس سے اگلا سوال جو انسان کی کھوپڑی میں ٹھوکریں مار تا رہتا ہے وہ ہے ارتقا کا معاملہ ؟؟ کہ نام نہاد ارتقاءEvolution کا فلسفہ کیا ہے ؟ کہ کیا انسان واقعی بیکٹریا کے ارتقائی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے ؟ آدم (ع) کہاں سے آئے ؟

تو اس کا جواب تلاش کرنے سے بہتر ہے کہ ایک اور سوال اسی سوال کے سامنے لا کھڑا کیا جائے۔۔۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ اگر تو انسان بیکٹریا کے ارتقائی عمل Evolution کا نتیجہ ہے تو پھر اب جو دوسرے مخلوقات ہیں وہ ارتقاء کے اسی طرح مراحل طے کر کے انسانوں کی شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتے ہیں ؟؟یعنی میرے تخیلات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر انسان ارتقائی مراحل طے کر کے یہاں تک پہنچا ہے تو جو موجودہ بندر ہیں وہ کہاں سے آئے ہیں ؟؟اور وہ اب ارتقاءEvolution کے نتیجہ میں انسانوں میں کیوں نہیں بدل جاتے ؟؟یعنی Theory of Evolution ایک طرح سے اپنی نفی آپ کرتی ہے، یہ Self Contradictory Theory ہے۔ یہاں کچھ لوگ مجھ پر ہنسنا شروع کر دیں گے اور کہیں گے کہ جب ارتقائی عمل ہو رہا تھا تو اس وقت ارتقا کے مناسب عوامل دستیاب تھے جو کہ اب نہیں ہیں تو ان کے لیے پھر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نطفہ کے لیے رحم مادر تمام مناسب ماحول فراہم کر رہا ہے لیکن وہاں پر بھی بغیر اجازت کے نطفے کا ملاپ نہیں ہو پا رہا ہے، آپ تو بیکٹیریا کے ارتقا کی بات کر رہے ہیں ؟ پھر آپ یہ بھی بتائیں کہ بیکٹیریا کہاں سے آئے تھے ؟

حقیقت یہی ہے کہ آدم (ع) کا خالق حقیقی اللہ تعالی کی ذات نے بحثیت بشر وجود عمل میں لایا، آدم (ع) کا اور اس دنیا/کائنات کا خالق ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے جو وحدہ لاشریک، معبود بر حق ہے، جو عبادت کے لائق ہے۔

پھر انسانی عقل یہ بھی سوال کرتی ہے کہ آخر انسان ہی کیوں ؟

یعنی مجھے انسان ہی بنا کر کیوں وجود دیا گیا؟ کوئی اور شے کیوں نہیں پیدا کیا گیا؟ کیا ایسا ہو سکتا تھا؟ یعنی جب پیدا کرنے والی ذات اتنی طاقت رکھتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں کرموسومز کے ملاپ کو بھی کنٹرول کرنے کا اختیار رکھتی ہے، اور کسی نسل کے آگے بڑھنے یا نہ بڑھنے کا حکم دیتی ہے اور اتنی بڑی کائنات کی تخلیق کر سکتی ہے تو ایسی ذات تو پھر یہ قدرت اور اختیار بھی رکھتی ہے کہ مجھے یا کسی بھی دیگر انسان کے وجود کو

بجائے انسان کے کسی اور چیز، جانور، مچھلی، چرند، پرند کی صورت میں پیدا کر دیتی؟؟تو میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوا؟؟یعنی مجھے خاص انسان ہی پیدا کیا گیا؟؟

تو پھر آپ کو اور مجھے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر تخیلات کی ہی دنیا میں دوسری مخلوقات اور انسانوں کا موازنہ کیا جائے تو کیا انسان تمام مخلوقات سے بہتر نہیں!ہاں ہے!تو کیا تم نے اس بات کا شکر ادا کیا ہے اپنے خالق کا کہ اس نے تمھیں کوئی جانور، مچھلی یا کوئی اور شے بنانے کی بجائے انسان بنایا ہے!یعنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی تو تمھارا ذہن تھیوری آف ایوولیوشن کی ساکھ بچانے کے لیے یہ کہہ رہا تھا کہ انسان بیکٹیریا کی ایوولیوشن ہوتے ہوتے اعلی ترین سطح پر پہنچ جانے پر تخلیق ہوا ہے،یعنی وہاں تھیوری آف ایوولیوشن میں تم یہ مان رہے تھے کہ انسان دوسری مخلوقات سے بہتر ہے لیکن تھیوری آف ایوولیوشن تخیلات کی دنیا میں مسخ ہو کر رہ گئی تو یہ سوال بھی سامنے آ کھڑا ہوا!لیکن اسکا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان دوسری مخلوقات سے افضل نہیں ہے بلکہ انسان اپنے شعور اور اسی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات سے افضل درجہ پر ہے،ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے خالق کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں کوئی دیگر شے بنانے کی بجائے انسان بنایا ہے یعنی اس سوال کا جواب شکر ہے۔

یعنی معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہمیں تخلیق کرنے والی ذات کی قدرت پر کسی بھی طرح کا سوال ہے بلکہ وہ تو قادر مطلق ہے، جس ذات نے اتنی بڑی کائنات پیدا کر دی، مجھے اور آپ کو اتنے لمبے سلسلہ نسب سے گزار کر پیدا کر دیا اور ہماری پرورش کا سامان کر دیا تو وہ ذات تو بالکل نہ صرف قدرت رکھتی ہے بلکہ اسکے لیے تو کچھ مشکل ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔۔پھر بھی اس ہماری خالق ذات نے اگر ہمیں انسان بنایا ہے تو اسکا ہمیں انسان پیدا کرنے کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ مقصد سمجھنا ہی زندگی کا حاصل ہے کہ ہمارے اس دنیا میں وجود کا مقصد کیا ہے۔۔۔تو یہ معاملہ ہر انسان کے لیے الگ ہے کیونکہ ہر انسان کا ٹائم فریم / زمانہ مختلف ہے، اسکا ماحول مختلف ہے لہذا ہر انسان کے لیے اسکا مقصد اسے خود تلاش کرنا ہے اور پھر اپنی زندگی میں پورا کرنا ہے لیکن یہ مقصد شکر ادا کیے بغیر واضح نہیں ہو سکتا یعنی جب تک اپنے خالق کے سامنے انسان کے وجود میں ظہور پذیر کر دینے کا شکر ادا نہ کیا جائے تب تک انسان کی زندگی کا مقصد واضح ہو کر سامنے نہیں آتا۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ یہ مقصد حیات کوئی ایک دن میں یا ایک ہی بار میں آپ کو سمجھ میں نہیں آ جائے گا بلکہ اس کے لیے وقت لگتا ہے انسان کو، سمجھنے میں۔ قارئین میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اپنا مقصد حیات پہلے سے سمجھ چکے ہوں گے اور کچھ ایسے ہونگے جو اسکا سفر طے کر رہے ہونگے۔

دعا ہے کہ اللہ کی پاک ذات ہمیں اپنی ذات کی پہچان عطا فرمائے۔(آمین)

02۔ انا:۔

لفظ "مَیں" کا ذہن میں تکرار کسی انسان کے اندر "انا" کی علامت ہے۔ تو آپ اپنی عادات اور اطوار کی جانچ پڑتال کریں اور اس لفظ "مَیں" کو تلاش کریں کہ آپ کی گفتگو اور ذہن کے اندر اس لفظ کی کتنی تکرار پائی جاتی ہے۔ جتنی تکرار آپ کے سامنے آئے گی اسی قدر آپ اس **عارضہ** میں مبتلا ہیں۔ یعنی کوئی آپ کو کہتا ہے کہ مجھے پانی پلا دو! آپ سامنے سے کہتے ہیں ""مَیں" تمھیں پانی پلاؤں ؟(یعنی آپ اسکو خود سے کم تر سمجھتے ہیں یا حقیر سمجھتے ہیں یا اسکو پانی پلا دینے میں آپ اپنی ذات کی توہین سمجھتے ہیں!)"۔۔۔۔ یا آپ کہتے نہیں ہیں لیکن آپ کے ذہن میں یہی بات ابھر کر آتی ہے تو بھی آپ کے اندر اس "انا" کے اثرات باقی ہیں اسی طرح آپ اپنی زندگی کے معمولات میں اِس لفظ "مَیں" پر جہاں زور آرہا ہو، ان معمولات پر غور کریں، آپ اپنے ذہن کو واپس ایسے حالات سوچنے پر مجبور کریں جن میں آپ کے سامنے "مَیں" کا لفظ آکر کھڑا ہو گیا، اور آئندہ کے لیے بھی خود کو محتاط کر لیں کہ جب بھی میرے سامنے کوئی ایسے حالات آئیں گے جس میں یہ لفظ "مَیں" میرے سامنے آکر دیوار بن کر آجائے گا تو اس وقت خود کا جائزہ لوں گا اور غور کروں گا اور جب آپ غور کریں گے تو ان مواقع پر آپ خود کو "انا" میں ڈوبا ہوا پائیں گے۔

اب اسی چیز کو ایک پیرائے میں دیکھتے ہیں اور جس طرز پر اس کو میں نے دیکھ کر اسکو سمجھنے اور اس پر قابو پانے میں کامیاب ہوا ہوں، اسی طرز پر آپ کو بھی دکھانا چاہ رہا ہوں، اب آپ اپنے تخیلات اور تصورات کو اجاگر کر لیں یعنی آپ نے کچھ چیزیں ذہن میں تصور کرنی ہیں! وہ کیا ہیں:۔

آپ تصور کریں کہ جس جگہ آپ بیٹھے ہیں، آپ یہ تحریر پڑھ رہے ہیں، آپ جس جگہ بھی بیٹھے ہیں اپنے ارد گرد دیکھیں، اور اپنے وجود کو دیکھیں، اب ذرا تھوڑا سا اسکو وسیع کریں، اپنے ارد گرد اپنے علاقہ یا محلہ کا سوچیں اور اس کے ساتھ اپنے وجود کا موازنہ کریں، اب ذرا اِسی میں تھوڑا سا اضافہ کریں اپنے علاقہ کے لوگوں اور تمام چیزوں کو بھی ذہن میں رکھیں اور علاقہ کا حجم و رقبہ دونوں ذہن میں رکھ کر اسکے ساتھ اپنے وجود کا موازنہ کریں، پھر اس کو مزید وسیع کریں اپنے ضلع کی حد تک سوچیں کہ کتنا بڑا علاقہ ہے شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً اپنے تصورات میں لے کر آئیں کہ آپ کے ضلع کا کتنا رقبہ ہے پھر اس میں کتنے لوگ رہ رہے ہیں اور دیگر کتنی اشیاء ہیں اب ذرا اسکے ساتھ اپنے وجود کا موازنہ کریں کہ اس سب کے مقابلے میں آپ کا وجود کتنا کچھ معنی رکھتا ہے، اب اس سے آگے اپنے تصورات کو لے جائیں! پورے ملک کا سوچیں کہ کتنا بڑا ملک ہے اور اس میں آپ کا ایک ضلع ہے اس میں آپ کا ایک علاقہ ہے، اس میں آپ کسی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس سب سے موازنہ کریں اپنی ذات اور اپنی جسامت کا! چلیں اس سے بھی آگے چلتے ہیں پوری دنیا کا تصور کریں کہ دنیا کتنی بڑی ہے، آپ یہاں سے چلیں مشرق کی جانب تو پورا چکر لگانے میں نہ جانے کتنے دن لگیں گے، اب اتنی بڑی دنیا میں کتنے ملک ہیں، ان ملکوں میں ایک آپ کا ملک ہے، اس ملک میں کہیں کوئی آپ کا ضلع ہے، اس ضلع میں نہ جانے کتنا چھوٹا سا آپ کا علاقہ ہے اور اس علاقہ میں کہیں کسی جگہ پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں! تو اب آپ اس دنیا کے مقابلے میں کتنی حیثیت رکھتے ہیں!

نہیں نہیں! یہاں رک نہیں جانا، ابھی آگے بھی تصور کریں، کہ آپ دنیا سے باہر نکلتے ہیں خلا کی طرف! آپ کا پورا سولر سسٹم ہے، سولر سسٹم میں ایک زمین ہے، اس زمین میں کتنے ہی ملک ہیں، آپ کا بھی ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں نہ جانے کہاں آپ کا چھوٹا سا ضلع ہے جو کہ آپ کے لیے تو بہت بڑا ہے اور آپ نے ابھی تک وہی چل پھر کے پورا نہیں دیکھا ہے! تو پھر آپ کی جسامت، قد و قامت اور ذات اس پورے

سولر سسٹم کے سامنے کتنی قدر رکھتی ہے ؟ اب اس سے بھی آگے تصور کیجئے کہ سولر سسٹم سے باہر پوری گلیکسی ہے، اس کے جیسی کتنی ہی اور بھی گلیکسیز ہیں، گلیکسیز سے آگے تو ہمیں پتہ ہی نہیں کیا ہے ہم بلیک ہولز میں جا کر پھنس جاتے ہیں خیر جو بھی ہے وہ انسان کے تصورات کے لیے لا محدود ہے !!! تو گلیکسیز تک ہی اکتفا کر لیجئے کہ اتنی بڑی بڑی گلیکسیز میں آپ کی ایک گلیکسی ہے، اسکے اندر آپ کا سولر سسٹم جس میں سورج اور نو سیارے، ان نو سیاروں میں سے آپ کی زمین ایک سیارہ، پھر اس زمین پر نہ جانے کتنے ملک، اور ان کتنے ملکوں ! اور آبادی سے بھرے ہوئے ملکوں میں آپ کا ایک ملک، اِس ملک کے پر ہجوم اضلاع میں کہیں آپ کا ضلع، پھر اِس کے اندر کہیں آپ کا علاقہ ہے اور آپ بھی کہیں ان گلیکسیز کے مقابلے میں ایک ذرہ سے بھی کم حیثیت کی جسامت لے کر بیٹھے ہوئے ہیں ! یعنی اس دنیا میں جتنے بھی سمندر ہیں ان سارے سمندروں کا پانی تصور کیجئے اور آپ ساحل پر پڑے ہوئے کسی ریت کے دانے / ذرہ کا تصور کیجئے تو وہ ریت کا ذرہ جو ان تمام سمندروں کے پانی سے متناسب رکھتا ہے وہ بھی زیادہ ہے اسکے مقابلے میں جو آپ کا متناسب اس کائنات کے ساتھ ہے ! تو اب ذرا اُس ذات کا بھی تصور کیجئے جس نے اِن سب چیزوں کو پیدا کیا ہے ! جس نے آپ کو پیدا کیا ہے ! آپ کے علاقہ کے لوگوں کو پیدا کیا ہے ! آپ کے ملک اور پوری زمین کو پیدا کیا ہے ! زمین کے اندر اتنی جمادات، نباتات، حشرات الارض، چرند پرند درند اور سب کی اتنی انواع و اقسام سب جانداروں کی خوراک اور جمادات کا ٹھہراؤ، سب کچھ پیدا کیا ہے ! جس نے سولر سسٹم کو پیدا کیا ہے ! جس ذات نے گلیکسیز کو پیدا کیا ہے ! جس ذات نے پوری وسیع و عریض کائنات کو پیدا کیا ہے ! وہ کتنی بڑی ذات ہے جو اتنی بڑی کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے ! اسکے مقابلے میں آپ کی ذات کی کیا حیثیت ہے ! جب آپکی ! اُسکی تخلیق کی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں اِتنی سی حیثیت ہے تو اُسکے مقابلے میں تو گویا کوئی حیثیت ہی نہیں ہے !! تو پھر آپ اپنے آپ کو کس وجہ سے اتنی توپ چیز سمجھتے ہو !! تمھاری تو حیثیت ہی نہیں ہے خالق کے سامنے !!

تو آپ کے اندر "انا" کیوں کر پیدا ہو گئی ! تو تمھارے اندر "انا" اس وقت سے پیدا ہو گئی جب سے تم نے خود کو ایک تخلیق کے درجہ سے بڑھا کر کوئی خود سے وجود میں آنے والی شے سمجھ لیا تھا حالانکہ تمھیں تو شکر کرنا چاہیے تھا اپنے خالق کا کہ جس نے تمھیں ایک وجود بخشا ہے اور یہ زندگی دی ہے لیکن تم بجائے شکر ادا کرنے کے اسکی دی ہوئی زندگی اور وجود کو خود سے وجود میں آنے والی شے سمجھے ہوئے ہو، اس پر اتراتے ہو، ناز کرتے ہو اور "مَیں، مَیں، مَیں" کی رَٹ لگائی ہوئی ہے ! شکر کیوں نہیں کرتے ہو کہ خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات نے تمھیں وجود بخشا ہے، یہ زندگی دی ہے ! اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمھیں انسان پیدا کیا ہے ! وہ تو قدرت رکھنے والی ذات ہے وہ تمھیں کسی جانور کی صورت میں پیدا کر دینے پر بھی قادر ہے لیکن پھر بھی اس نے تمھیں ایک انسان پیدا کیا ہے تو شکر کرو اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات کا کہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے اور انسان پیدا کیا ہے ! اور **یہ یاد رکھو کہ اسکے سامنے تمھاری کوئی حیثیت نہیں ہے !!**

تو کیا مطلب ہے ؟ آپ بیکار ہیں ؟ (یعنی آپ اگر صحیح طرح سے تصور قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اوپر دی ہوئی باتوں کا تو آپ کے سامنے یہ سوال آنا چاہیے "کیا میں ایک بیکار چیز ہوں ؟" اور اگر یہ سوال آپ کے سامنے نہیں آیا تو آپ صحیح طرح سے تصور نہیں کر سکے ہیں، تحریر بھی دوبارہ پڑھیں اور تصور بھی دوبارہ کریں سب کچھ۔)

نہیں! نہیں! اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ بیکار ہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی حیثیت تبھی ہو گی جب آپ کا اپنے خالق کے ساتھ کوئی تعلق قائم رہے گا، آپ اپنے آپ کو اسکے سپرد کر دیں گے تو آپ کی کوئی قدر ہے بصورت دیگر آپ کے اس خاکی بت کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ تو مَیرا کیسے اپنے خالق کے ساتھ تعلق ہو گا؟

یہاں پہ آ کے پھر وہیں موڑ مڑ جاتا ہے بات کا (جو پچھلے باب میں آخر پہ بات آئی تھی) کہ اپنا مقصد حیات ڈھونڈنا ہو گا! خالق نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے وہ تلاش کرنا ہو گا! اس مقصد کے لیے جدوجہد کرنا ہو گی! اس کے نتیجے میں خالق کے ساتھ تعلق پیدا ہو گا! تو پھر وہ مقصد کیا ہے؟

یہ مقصد حیات انشاءاللہ آپ پر واضح ہو کر سامنے آجائے گا جب آپ اپنے خالق حقیقی اللہ تعالی کی ذات سے اسکی تلاش اور حصول کے لیے مدد طلب کریں گے کیوں کہ اسکی مدد و نصرت کے بغیر کوئی بھی کام ممکن نہیں ہو سکتا۔ فی الوقت آپ کو صبر سے کام لینا ہو گا اور ساتھ اللہ کی مدد و نصرت کے لیے اللہ کو پکارنا ہو گا۔

کوئی بھی شخص بالخصوص اپنی جوانی کے اوقات میں اپنی ذات پر غرور اور گھمنڈ رکھتا ہے اِسی کا نام "انا" ہے یعنی جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرے ہمسر، ہم پلہ، مجھ سے بہتر کوئی بھی نہیں ہے مَیں باقی لوگوں جیسا نہیں ہوں اور باقی لوگ مجھ جیسے اعلی و ارفع نہیں ہیں بلکہ مَیں اپنی مثال آپ ہوں، میری بات نہ رد کی جائے، نہ اس پر اعتراض کیا جائے، جو "مَیں" نے کہہ دیا چاہے غلط کہا ہے یا ٹھیک بس "مَیں" نے کہہ دیا ہے تو یہی سہی ہے یا جو "مَیں" نے کر دیا ہے یہی سہی ہے۔ یعنی اپنی ذات کے وجود پر غرور کرنا "انا" ہے۔

اب مسئلہ کیا ہے؟ یہ انا کیونکر انسان کے اندر آجاتی ہے اور کہاں سے آجاتی ہے؟

اسکی وجہ یہ ہے کہ جب انسان خود کو تخلیق نہیں سمجھ رہا ہوتا، شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر! تو اسکو یہ مغالطہ اور غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی بہت بڑی توپ چیز ہے، اسکا وجود اور ذات کسی کی مرہون نہیں ہے اور بالآخر وہ خودسَر اور منہ زور ہو جاتا ہے، حصہ اول کے باب اول میں اسی بات پر بحث ہو چکی ہے کہ انسان خود ایک تخلیق ہے، آپ تخلیق ہیں، مَیں ایک تخلیق ہوں تو پھر جب ہمارا وجود ہی تخلیق ہے تو پھر اس پر اتنا غرور کس بات کا؟ بلکہ اس پر تو شکر ادا کرنا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں شکر جو ہے وہ "انا" کا توڑ ہے، جب تک آپ اپنی زندگی اور وجود کے عطا کر دیئے جانے کا شکر ادا کرتے رہیں گے "انا" آپ کے اندر پیدا نہیں ہو گی اور اگر آپ شکر ادا کرنا چھوڑ دیں گے تو پھر اس عارضہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اور اب سے آپ کو اپنی عادات میں سے ایک عادت اپنے خالق کا شکر، خصوصاً اپنی زندگی کی عطا کے لیے شکر کی عادت اختیار کرنا ہو گی، اسکے لیے آپ جو بھی طریقہ کار اپنا لیں چاہے آپ شکر کے طور پر نوافل ادا کریں، شکر کے طور پر خیرات کریں یا کوئی اور خالق کے نزدیک پسندیدہ عمل اپنائیں گے تاکہ آپ "انا" کے فتنہ سے محفوظ رہ سکیں اور جب تک عملی طور پر شکر کے اقدام نہیں کریں گے، آپ "انا" پر قابو نہیں پا سکیں گے کیونکہ یہ آپ کے اندر گھر کر چکی ہوتی ہے اسکو باہر نکالنے کے لیے عملاً شکر ادا کرنے کی اور عمداً ادا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں سب سے پہلے سمجھ عطا فرمائے اور پھر سمجھ لینے کے بعد عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

03۔ مسئلہ ضرورت اور لالچ:۔

دراصل بات شروع ہوتی ہے انسان کے روزمرہ کے معمولات سے! آپ، میں اور ہم سب معاشرے کے افراد کس چیز کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں؟ کوئی carrier بنانے کی باتیں کرتا ہے، کوئی کاروبار شروع کرنے کی بات کرتا ہے؟ جبکہ میں یہ سوال پوچھتا ہوں کہ ہم کام کیوں کرتے ہیں؟

ظاہر ہے اسکے بدلے میں ہمارے ہاتھ رقم / پیسہ / روپیہ / Money آتی ہے

تو کیوں چاہیے ہمیں رقم / پیسہ؟

گھر بنانا ہے، بنگلہ بنانا ہے، گاڑی چاہیے، کھانے پینے کا سامان پیسوں سے آتا ہے، اچھے کپڑوں پر پیسے خرچ ہوتے ہیں، کہیں آنا جانا ہو گاڑی میں پٹرول ڈلوانے کے لیے پیسے چاہیے ہوتے ہیں، دھوم دھام سے شادی کرنی ہے اور کیوں چاہیے!

اب ایک بات یہ ہے کہ جس شخص کو پیسا چاہیے ہوتا ہے جو پیسے کے پیچھے بھاگتا ہے ہم اسے لالچی شخص کہتے ہیں۔ تو کیا ہم سب لالچی ہیں جو پیسے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں؟

نہیں! ایسا تو نہیں ہے۔ ہمیں تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیسے چاہیے! کیا سچ میں ہمیں صرف اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیسے چاہیے؟ تو پھر ہماری ضروریات کیا ہیں؟

ضروریات تو یہ ہیں کہ کھانے کو دو وقت کی روٹی بھی لازمی چاہیے! پہننے کے لیے کپڑے بھی لازمی ہیں! اور رہنے کے لیے مکان بھی لازمی ہے!

اور باقی؟؟؟؟؟؟؟؟؟

باقی سب تو خواہشات ہیں! تو مطلب خواہشات کو پورا کرنے لیے دوڑ لگائے رہتا ہے انسان!

اب یہاں سے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے:۔

اچھا تو گھر کتنا بڑا بنانا ہے؟ دو تین کمروں کا سادہ سا مکان چاہیے یا بنگلہ بنوانا چاہتے ہو یا کوئی محل تعمیر کرنا ہے؟

گاڑی کونسی چاہیے؟ کوئی چھوٹی سی ہو تو گزارہ ہو جائے گا یا luxary چاہیے؟

موبائل فون بھی اچھا اور مہنگے والا چاہیے ہو گا؟

ہاں کھانا پینا تو سبھی نے ہے! لیکن کوئی سبزی کھا کے پیٹ بھر لیتا ہے تو کسی کا تکہ کڑاہی کے بغیر نوالہ حلق سے نیچے نہیں جاتا!

کپڑے بھی سبھی پہنتے ہیں! کوئی ریشم کے پہنتا ہے تو کوئی کھدر پہن لیتا ہے!

تو معاملہ کیا ہے؟ میں کیا کہے جا رہا ہوں!

معاملہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کو چھوٹا سا دو کمروں کا سادہ سا گھر بنانا ہے؟ جھونپڑی میں رہنا ہے؟ ٹینٹ لگا کر رہنا ہے؟ یا بنگلہ تعمیر کرنا ہے؟ یا پورا محل تعمیر کروانا ہے؟ آپ نے سائیکل لینی ہے؟ موٹر سائیکل لینی ہے؟ گاڑی لینی ہے؟ سواری کے لیے لینی ہے یا مزے کے لیے لینی ہے یا لوگوں کو دکھانے کے لیے لینی ہے؟ موبائل بھی آپ نے لینا ہے تو آپ نے ضرورت کے لیے لینا ہے یا لوگوں کو دکھانے کے لیے مہنگے والا موبائل لینا ہے؟ آپ نے ریشم کے کپڑے پہننے ہیں یا کوئی عام سا لباس پہن کر زندگی گزارنی ہے؟

اب جس طرح کے آپ کے جواب ہونگے اتنی رقم آپ کو چاہیے ہوگی! اتنی رقم کے لیے پھر آپ تگ و دو کریں گے بجائے یہ سوچنے کے یہ سہی بھی ہے یا غلط؟ آپ کو یہ سب چاہیے بھی سہی یا نہیں؟

اچھا آپ یہ بتائیں آپ کی ضرورت کیا ہے؟

ضرورت تو ہے روٹی، کپڑا، مکان! بس اتنی سی ضرورت ہے ہر انسان کی!

تو باقی کیا ہے؟ باقی سب خواہشات ہیں۔

تو اسکا کیا مطلب ہوا؟ اسکا مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو پیسے چاہیے ہوتے ہیں اور جو انسان پیسوں کے پیچھے بھاگتا ہے تو پھر لالچ دو طرح کے ہوتے ہیں یعنی جائز لالچ (جس سے اسکی ضروریات پوری ہو جائیں) اور حد سے بڑھ کر لالچ (اپنی بے جا خواہشات پوری کرنے کے لیے)! نہیں بلکہ جائز لالچ کی بجائے ہمیں لفظ "ضرورت" استعمال کرنا چاہیے اور ضرورت سے بڑھ کر جو طلب پیدا ہو جاتی ہے اس کو لالچ کا نام دیا جاتا ہے اور ہم اِسی کے لیے ہیں لالچ کا لفظ استعمال کریں گے اور اسی کے لیے ہونا چاہیے کیونکہ ضرورت تو ضرورت ہے لیکن اس چیز کی وضاحت اِسی طرح سے کرنا اس لیے ضروری تھی کیونکہ ہم نے اپنے معاشرے میں ضروریات اور خواہشات کو گتھم گتھا الجھایا ہوا ہے، ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ ہماری ضرورت کیا ہے اور ہمارے اندر لالچ کس کس چیز کا پایا جاتا ہے۔

پھر معاملہ یہ ہوا، حاصل بحث یہ نکلتا ہے کہ کسی بھی انسان کی اپنی ضروریات روٹی، کپڑا اور مکان کو پورا کرنے کے لیے کی جانی والی کوشش جائز ہے اور باقی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے پایا جانا والا اضافی مادہ لالچ ہے جس کا اگلا درجہ حرص ہے جس میں انسان انتہا درجے کا لالچی بن جاتا ہے اور اسے پیسوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا لیکن ہم میں سے اکثر لالچ میں مبتلا ہیں اور ہمیں معلوم بھی نہیں ہے کیونکہ ہمیں لالچ کے اسباب اور اسکی اقسام کی طرف کبھی غور نہیں کیا ہے۔

چلو! اس بات پر تو اتفاق ہو گیا کہ انسان کی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان کی حد تک ہے باقی سب خواہشات ہیں۔ باقی سب خواہشات ہیں یا لالچ ہے یہ بات آگے جا کر میں تمھیں لالچ کے اسباب اور اسکی اقسام میں سمجھاؤں گا۔

یہاں سے آپ کے سامنے ایک فارمولا تیار ہو گیا کہ "ضرورت سے بڑھ کر روپیہ / پیسہ کی جو طلب کسی انسان کے اندر پائی جاتی ہے وہ اسکا لالچ ہے"

اور اگر آپ کے اندر بھی ضرورت (روٹی، کپڑا اور مکان) سے بڑھ کر اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے روپیہ / پیسہ کا لالچ پیدا ہو چکا ہے یا پایا جاتا ہے تو آپ بھی ایک لالچی انسان ہیں آپ کو اپنا تجزیہ Analysis کرنے کی ضرورت ہے اور اسکے لیے آپ کو آئندہ باب میں دی ہوئی لالچ کے اسباب اور اقسام پڑھنے کی ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کی پاک ذات ہمیں اپنے نفس کے شر سے محفوظ فرمائے (آمین)

04۔لالچ کی اقسام:۔

ہم اس باب میں لالچ کی اقسام کو زیر بحث لائیں گے اب اسکے دو طریقہ کار ہیں ایک تو اقسام ظاہر کرنے کا روایتی طریقہ کار ہے کہ آپ کو محض برانچوں میں تقسیم کر کے یا سرخیوں میں لکھ کر بتا دیا جائے کہ یہ لو، فلاں، فلاں قسم کا لالچ ہے، یہ اقسام ہیں لالچ کی، دوسرا اسکا اصل طریقہ کار ہے کہ بات کو پہلے سمجھا جائے پھر اسکو تقسیم کیا جائے تا کہ بات جوں کی توں سمجھ میں آئے اور آئندہ اگر کوئی اس سے بڑھ کر کسی نتیجہ پر پہنچے تو وہ اس میں اضافہ بھی کر سکے۔

بات کو کس طرح سمجھا جائے، طریقہ کار وہی ہے جو پہلے چلا آرہا ہے کہ ہم بات سے بات نکالیں گے اور اس سے آگے سفر کرتے جائیں گے:

ہمیں پیسہ کیوں چاہیے؟

کیونکہ یہ ہماری ضرورت ہے؟

ضرورت کی تعریف کی گئ تو پتہ چلا کہ نہیں ہم تو پیسہ / روپیہ کی تگ و دو میں ضرورت سے بڑھ کر اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے لگے ہوتے ہیں اور اب اس سے آگے سفر شروع ہوتا ہے کہ یہ خوہشات ہمارے اندر آتی کہاں سے ہیں؟

ہماری ترجیحات Priorities کیا ہیں؟

جب کسی انسان کی ضروریات پوری ہو رہی ہوتی ہیں تو اسکی ترجیحات ضروت سے بڑھ کر خواہش کی طرف کیوں چلی جاتی ہیں؟

تو مسئلہ دراصل خواہشات کا ہے کہ ان کی طرف اپنی سوچ کا رخ موڑا جائے اور وجہ تلاش کی جائے کہ ہم اپنی خواہشات کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہیں؟

اب واپس آتے ہیں! خود سے پوچھتے ہیں! ہمیں ایک Luxary گاڑی چاہیے! تو کیوں چاہیے؟

کسی انسان کے لیے گاڑی ضرورت ہو سکتی ہے مثال کے طور پر ایک آدمی کو اپنے کاروبار کے سلسلہ میں ملک کے مختلف علاقوں میں جانا پڑتا ہے اور اسے بہت زیادہ سفر کرنے کی وجہ سے تھکان ہو جاتی ہے تو اسکے لیے گاڑی ضرورت ہے، وہ لے گاڑی تو اسکے لیے جائز ہے لیکن ہر شخص کی تو یہ صورتحال نہیں ہے، ہر شخص کاروباری آدمی تو نہیں ہے بلکہ معاشرے کی اکثریت کاروباری تو نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں مسئلہ یہ ہے یہاں تو کاروبار کا ستیاناس ہوا ہوا ہے لیکن ہم سب ایک مہنگی Luxary گاڑی رکھنے کی خواہش رکھتے ہیں تو کیوں رکھتے ہیں؟

اسکا جواب ہر ذی الشعور انسان کے ذہن پر ابھر کر یہی آئے گا کہ ہم میں سے اکثر لوگ گاڑی لوگوں کو دکھانے کے لیے لینا چاہ رہے ہیں تا کہ جب میں گاڑی سے نکل کر باہر آؤں تو لوگ دیکھیں اور واہ واہ! کرتے چلے جائیں، یا کچھ لوگ کہیں گے گاڑی ہو گی تو میرا معاشرے میں ایک وقار ہو گا جو کہ جھوٹے بہانے ہوتے ہیں جو انسان خود کو اپنے ضمیر کی ضرب سے بچانے کے گھڑ لیتا ہے اور اپنے سامنے لا کر رکھ دیتا ہے، کوئی کہے گا کہ اپنے گھر والوں کے لیے گاڑی لینا کوئی بری بات تو نہیں ہے، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ بری بات ہے لیکن کیا واقعی گاڑی آپ کی ضرورت ہے

کہ اسکے بغیر اب گزارہ ممکن نہیں ہے!خود سے جھوٹ نہیں بولا جاتا بلکہ حقیقت کا سامنا کیا جاتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ ہم میں سے اکثر مہنگے موبائل فون اس لیے لیتے ہیں کہ لوگ دیکھیں تو واہ واہ کریں حالانکہ نہ تو انہیں اتنی زیادہ کوئی سکیورٹی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اتنے فنکشنز کی ضروت ہوتی ہے وہ محض دکھاوا کرنے کے لیے اتنا زیادہ پیسہ خرچ کر لیتے ہیں جبکہ ہمیں اپنی ضرورت کی حد تک خرچ کرنا چاہیے ہوتا ہے۔

اب حاصل بحث کیا ہے!وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا پیسہ کا لالچ در حقیقت اس کے کسی دوسرے لالچ سے پیدا ہوتا ہے یعنی در حقیقت میرا اور آپ کا لالچ پیسہ/روپیہ کا نہیں ہے بلکہ ہمارا لالچ یہ ہے کہ لوگ ہمیں دیکھیں تو واہ واہ کریں یعنی نمائش کا لالچ!یعنی ہم دوسرے کو دکھانا چاہ رہے ہوتے ہیں یا دوسرے کو دکھا رہے ہیں اور محض کسی اَور انسان کو دکھانے کے لیے عملی طور پر ایک کام کر رہے ہیں یا کر رہے ہوتے ہیں جو کہ سراسر نمائش ہے یا دوسروں کو دکھانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو سراسر نمائش کرنے کا ارادہ باندھ رہے ہوتے ہیں۔

اب اسی بات کو تھوڑا سا مزید غور سے دیکھیں تو اصل میں نمائش کا لالچ بذات خود ایک لالچ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے لالچ سے پیدا ہو رہا ہے،وہ کس طرح؟

آپ نمائش کیوں کر رہے ہیں؟

تاکہ لوگ میری تعریف کریں!

تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اندر نمائش کا لالچ دراصل ستائش کے لالچ کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔یعنی آپ کا،میرا اور ہم سب کا اصل لالچ یہ ہے کہ ہم اپنے لیے لوگوں کے منہ سے تعریفیں سننا چاہتے ہیں۔تو پھر بالآخر ہماری زندگی کا کیا یہ حاصل ہے کہ ہم محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے،لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننے کے لیے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے جی رہے ہیں؟اور کیا ہمیں خالق نے اسی لیے پیدا کیا تھا؟ہم پیدا تو ہوئے تھے خالق کی طرف سے دیئے گئے ایک مقصد کی تلاش اور تکمیل کے لیے!!اور ہم پھنس کے رہ گئے لالچ میں!

☆☆☆☆☆☆☆

اب ہم اس کو تقسیم کرتے ہیں اور باقاعدہ ایک الگ الگ موضوع کے طور پر لالچ کے اقسام پر بحث کرتے ہیں:
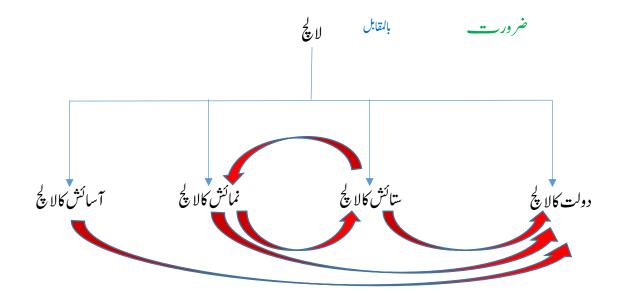
اب ان پر مزید بحث کرنا محض بحث برائے بحث کرنے کے مترادف ہے صرف آسائش کا لالچ اوپر کی مثالوں میں واضح نہیں ہوا ہے، باقی اقسام کی وضاحت نہ سہی تو اشارہ کر دیا گیا ہے جو کسی بھی سلیم العقل انسان کے لیے کافی ہے، باقی آپ خود سے سوچ کر اپنی اصلاح کریں گے تو وہ زیادہ بہتر اور فائدہ مند رہے گا۔ یہاں صرف آسائش کے لالچ کو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ آسائش کا لالچ انسان کے دوسرے لالچ سے مختلف ہے اور یہ ایک الگ موضوع ہے یہ کسی دوسرے لالچ سے براہ راست پیدا ہو بھی سکتا ہے اور اسکے ذریعہ سے دوسرے لالچ بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور اپنی ایک الگ حیثیت سے بھی ہر انسان کے اندر یہ لالچ پایا جاتا ہے، ہر انسان اپنے لیے ہر کام میں آسانی چاہتا ہے حالانکہ کئی مقامات پر انسان اُس طرح کی محنت نہیں کر رہا ہوتا جس طرح کی محنت اُس کام کے لیے دراصل درکار ہے لیکن ایک طرف انسان اپنی پوری کوشش نہیں کر رہا ہوتا تو دوسری طرف وہ یہ چاہ رہا ہوتا ہے کہ میرا یہ کام کسی طرح آسانی سے ہو جائے، وہ یہ چاہ رہا ہوتا ہے کہ میرا یہ مسئلہ کسی طرح بس چٹکی بجاتے ہی حل ہو جائے اور مجھے اپنے کام یا مقصد کی تکمیل کے لیے کچھ زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑے بلکہ بس یہ جلدی سے ختم ہو اور میں آرام اور سکون کروں، سہل پسندی جسے کہتے ہیں وہ بھی اسی زمرے میں آتی ہے اور شاہانہ طرز زندگی (Luxurious Life) اور اسکی خواہش (خواہ اس میں نمائش اور ستائش کے عنصر شامل نہ بھی ہوں، جو کہ اکثر شامل ہوتے ہیں پھر) بھی اسی لالچ کا شاخسانہ ہیں۔ کسی شخص کے اندر آسائش کے لالچ کی وجہ سے دولت کا لالچ پیدا ہو جانا عام سی بات سمجھی جاتی ہے لیکن میرے نزدیک یہ عام سی بات نہیں ہے بلکہ یہ ابتدا ہے جس سے بڑھ کر پھر لالچ کی دوسری اقسام انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نمائش، ستائش اور دولت کے لالچ نہ ہونے کے باوجود کسی کے پاس دولت ہے تو آسائش کا لالچ پھر بھی اُس انسان کو قابو کر سکتا ہے۔

تو اب ساری بحث جو لالچ کے زمرے میں ہم سابقہ دو ابواب میں ہم کر چکے ہیں اس سے یہ مطلب واضح ہو کر سامنے آرہا ہے کہ ہمارے اقدام اور ہر عمل کے پیچھے ہماری فکر اور سوچ کار فرما ہوتی ہے جو ہمارے اندر گھر کر چکی ہوتی ہے۔ اب تک جو ہم نے بحث کی ہے وہ اس حد تک ہے کہ ہمارے عمل اور طرز عمل کے پیچھے کونسی سوچ کار فرما ہے یعنی روز مرہ زندگی میں ہمارے عوامل کے وقت جو خیال سب سے پہلے ہمارے ذہن پر ابھر کر آتے ہیں وہ کہاں سے آرہے ہیں! اب ہمیں ان خیالات جو ابھر کر ذہن کی سطح پر آتے ہیں ان کے پیچھے چھپے ہوئے ہمارے نظریات مل گئے۔ اسے آپ ایک سوچ کے پیچھے چھپی ہوئی سوچ کہہ سکتے ہیں Thinking Behind Thinking جبکہ ہمیں اس سے بھی آگے جانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ میری یہ سوچ کہاں سے آرہی ہے یعنی میری اس سوچ کے پیچھے بھی کوئی وجہ ہے، میں ایسا سوچ رہا ہوں تو کیوں سوچ رہا ہوں؟ Thinking Behind Thinking Behind Thinking ۔ جب بھی آپ زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر اپنے ذہن کی سطح پر ابھر کر آنے والے خیال اور سوچ کو پرکھیں گے تو اس کے پیچھے پورا ایک نظریہ آپ کو ملے گا اور ہر سوچ کے پیچھے ایک نظریہ ہوتا ہے ایک Ideology ہوتی ہے جو کسی بھی انسان کے پیدا ہونے سے بڑے ہونے تک آہستہ آہستہ قائم ہوتا ہے اور آپ کو اپنے نظریات کو سمجھنا اور اسکی تصحیح Correction کرنا مشکل ہو جاتا ہے حالانکہ دراصل تذکیہ نفس اسی شے کا نام ہے کہ پہلے آپ اپنے نظریات کو پاک کریں اسکے نتیجہ میں آپ کی سوچ صاف پاک ہو گی اور پھر اسکے نتیجہ میں آپ کا عمل خالص ہو گا۔ لہذا اب ہمیں لالچ کے خاتمہ کے لیے اسکے پیچھے چھپے ہوئے اسباب اور وجوہات کو تلاش کرنا ہو گا کہ ہم آج اگر لالچی انسان بن چکے ہیں یا اگر کوئی ہمارے ارد گرد بسنے والے انسان لالچ میں مبتلا ہیں تو وہ کیوں ہیں؟ اسکے لیے ہم آئندہ باب میں چلتے ہیں تاکہ ایک ترتیب اور تسلسل بھی قائم رہے اور بات بھی پوری ہو کر یا واضح ہو کر سامنے آجائے۔

اللہ کی پاک ذات ہماری حامی و ناصر ہو۔

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَاؕ۔اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا

اس سفر کے دوران میں نے اس دعا کو اپنا شعار بنائے رکھا ہے اور ہمیشہ اپنے خالق سے نفع بخش علم کی طلب کی ہے کیونکہ جب تک اس کی مدد شامل حال نہیں رہے گی انسان کے بھٹک جانے کا احتمال رہے گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خالق کی مدد و نصرت طلب کی جائے اور اپنے خالق کو پکارا جائے۔

05۔لالچ کے اسباب اور اسکے پیدا ہونے کی وجوہات:۔

ہم نے بحث کی کہ کسی بھی انسان کے اندر دولت کا لالچ دراصل اسکے دیگر چھپے ہوئے لالچ کا نتیجہ ہوتا ہے اب نقطہ یہ ہے کہ کسی انسان کے اندر یہ چھپے ہوئے لالچ کس طرح سے پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی اسکی ریاکاری، نمائش اور ستائش کی خواہش اور ان کا لالچ کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟؟

پہلا مرحلہ اسکا بچپن اور لڑکپن کا زمانہ ہوتا ہے، ہمارے معاشرہ میں بہت ہی تباہ کن روایت ہے کہ ایک بچے کا دوسرے بچے کے ساتھ مادی و ظاہری باتوں / بنیادوں پر موازنہ کیا جاتا ہے اور بالخصوص عورتوں میں یہ بات زیادہ عام ہے، انہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اسکا نتیجہ کیا نکلے گا اور اسکے نتیجہ میں بچوں کے اندر ستائش کا دیرپا قائم رہنے والا لالچ پیدا ہو جائے گا!!

اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال لیتے ہیں تاکہ بات صرف لفظی بحث و مباحثہ کی بجائے سمجھ بھی آئے۔ مثال کے طور پر دو بچے ایک شادی میں شرکت کیے ہوئے ہیں، دونوں کی مائیں آپس میں مل رہی ہیں اور ایک تیسری عورت ان بچوں کو باری باری دیکھ کر ان میں سے ایک بچے کے اچھے کپڑوں کی تعریف کر رہی ہے۔ اب یہاں ہوا کیا ہے؟؟ یہاں یہ ہوا ہے کہ وہ بچے جن کی تعریف کی جا رہی ہے، وہ بذات خود بچے ہیں اُن کو پیمائش / موازنہ کے پیمانہ اور اسکی مادیت پرستی کا اندازہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس چیز کا ادراک رکھنے کے ابھی اِس عمر میں اہل ہیں! مگر اُن میں سے ایک بچہ جس کی موازنہ کر کے تعریف کر دی گئی ہے وہ احساس برتری کا شکار ہو جائے گا اور اپنی آنے والی زندگی میں وہ اِسی احساس برتری (ستائش / دوسروں کے منہ سے اپنے لیے تعریف سننے کے احساس) کو قائم رکھنے کے لیے، لوگوں کو دکھانے کے لیے مادی اشیا کے حصول کے لیے دولت کے لالچ میں مبتلا ہو جائے گا جبکہ دوسرا احساس کمتری کا شکار ہو کر اپنے لیے دوسرے لوگوں کے منہ سے تعریف سننے کے لالچ میں مبتلا ہو کر دولت کے لالچ میں مبتلا ہو جائے گا۔

اب آپ اپنے ماضی کو کھنگال کر دیکھ لیجیے کہ آپ کے ساتھ بچپن اور لڑکپن میں کون کونسے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، آپ ان کا احاطہ کر لیجیے اور پھر وہاں پر پیدا ہونے والی خلش کو دور کیجئے کہ اُس وقت جو موازنہ کا معیار مقرر کیا گیا تھا وہ معیار ہی سرے سے غلط تھا، اس میں نہ تو آپ کا کوئی قصور تھا اور نہ ہی دوسرے شخص کا جس کے ساتھ آپ کا موازنہ کیا گیا بلکہ قصور اسکا تھا جس نے اس مادی بنیاد پر موازنہ کیا اور پھر ایک نتیجہ سنایا۔

دوسرے مرحلہ میں جب آپ لڑکپن اور جوانی کے زمانہ میں گزر رہے ہوتے ہیں، دور حاضر میں سب سے زیادہ آپ کے اندر لالچ پیدا کرنے میں اور اِس لالچ کے پختہ / راسخ کر دینے میں میڈیا (پرنٹ، الیکٹرانک، سوشل) کردار ادا کرتا ہے۔ خبروں اور اشتہارات سے لے کر فلموں اور ڈراموں تک ہر طرح سے آپ کے اندر ہر طرح کے لالچ کو بڑھاوا دینے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

آپ کو گاڑیوں کے اشتہار دکھائے جاتے ہیں، آپ کو موبائل فونز کے اشتہار دکھائے جاتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر اس طرح سے دکھائے جاتے ہیں کہ آپ اپنے لالچ کے مزید تابع ہو جائیں اور آپ کی وہ چیز حاصل کرنے کی خواہش مزید بڑھ کر اشتہا بن جائے۔ لفظ اشتہا اور اشتہار دیکھنے میں ایک جیسے ہیں لیکن ان کے درمیان کوئی لفاظی ربط نہ ہے لیکن یہاں چونکہ دونوں کا حاصل تشہیر ہے اس وجہ سے زیادہ تر انسانوں

کو اشتہارات اپنی طرف کھینچتے ہیں یعنی جو اشتہار آپ کو دکھایا جارہا ہے اسکا مقصد اس چیز کی تشہیر ہے اور دوسری طرف آپ بھی کسی طرح سے اپنی تشہیر کرنا چاہ رہے ہیں اور شہرت حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں، دونوں میں تشہیر کا مادہ اکٹھا ہو جانے کے باعث ایک دوسرے کے لیے کشش پیدا ہو جاتی ہے اور آپ یہ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں کہ واقعی یہ چیز جو اشتہار میں دکھائی جارہی ہے، میری ضرورت ہے اور اسکو حاصل کر کے مجھے لوگوں میں شہرت ملے گی کیونکہ ہم میں سے اکثریت شہرت کے حصول اور لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننے کے لالچ میں مبتلا ہوتی ہے، اسی وجہ سے اشتہارات کے ذریعہ ان کو غیر ضروری چیز بھی ضرورت دکھائی دیتی ہے۔

پھر آپ کو فلموں اور ڈراموں کے ذریعہ متاثر کیا جاتا ہے اور آپ کے ذہنی طور پر دوسروں کو جانچنے کے معیار بھی تبدیل کر کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پیمانہ بنانے کی بجائے مادیت پرستی کی طرف لائے جاتے ہیں، آپ کو بار بار یہ دکھایا جاتا ہے کہ جب ایک ہیرو اپنی گاڑی سے اسٹائل کے ساتھ نکل کر باہر آتا ہے تو لوگ اسکی طرف دیکھتے ہیں، وہ لوگوں کی نظروں کا مرکز بن جاتا ہے اور لوگ واہ واہ کرتے ہیں۔ اس طرح آپ کی دیرینہ خواہش کہ لوگ میری تعریف کریں اسکو گاڑی (یا کسی دیگر مادی شے) کے ساتھ جوڑ کر آپ کو ایک ماڈرن گاڑی کی ضرورت محسوس کرائی جاتی ہے، جو کہ آپ کو خواہش کی بجائے پھر ایک ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے حالانکہ اکثریت کے لیے وہ ضرورت نہیں ہوتی پھر بھی آپ کو اُسی ستائش کے لالچ پر مزید پختہ کیا جاتا ہے اور آپ کے اندر مادیت پرستی پیوست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حتیٰ کہ ہیرو گیری کی بنیاد اگر کوئی اعلیٰ اخلاقی اقدار بھی دکھائی جاتی ہیں تو اس کے اندر بھی ستائش اور نمائش کا پہلو مٹایا نہیں جاتا بلکہ یہ دکھایا جاتا ہے کہ لوگوں نے اس ہیرو کی اس اخلاقی قدر (مثال کے طور پر بہادری) کی وجہ سے بے پناہ تعریف کی ہے اور وہ لوگوں کی نظروں کا مرکز ہے، اس طرح سے اگر آپ کے اندر بہادر بننے کی خواہش پیدا بھی ہوتی ہے تو وہ محض لوگوں کو دکھانے کے لیے پیدا ہوتی ہے جبکہ اصل زندگی میں آپ کے اندر بہادری کی صفت دکھاوے اور ستائش کے لالچ سے بالاتر ہو جانے کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

پہلی تحریروں کی نسب یہاں آکر میرا انداز تحریر بلکہ انداز خطابت "آپ کو، آپ کو" کی طرف چلا گیا ہے جو کہ قدرتی امر ہے، پہلے کی تحریروں میں "ہم" پر توجہ دی جاتی رہی ہے جبکہ یہاں زیادہ تنقیدی نشتر آپ کی طرف برسا رہا ہوں تو اسکی وجہ یہ ہے، میرے گھر میں آج (2024) تک T.V نہیں ہے، نہ ہی کیبل نیٹورک ہے نہ ہی ڈش اینٹینا ہے، مجھ پر ان اشتہارات، فلموں اور ڈراموں کا اثر نہیں ہے اور میں اس سب سے باہر بیٹھ کر اسکے اثرات کا مشاہدہ کر تا رہا ہوں جس کی بنیاد پر ان نتائج تک پہنچا ہوں اور میں خود کو اس میں شامل نہیں سمجھتا۔

اپنی بحث کی طرف واپس آئیں تو اب تک اس باب کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ تمام قسم کے لالچ اس معاشرے کے رویوں سے پیدا ہوتے ہیں اور میڈیا کے ذریعہ مزید پختہ کر دیئے جاتے ہیں، جن اشخاص کا لوگوں سے میل جول کم اور میڈیا کے ساتھ زیادہ وقت سرف ہوتا ہے، وہ اس چیز کا اور بھی زیادہ شکار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اندر یہ تمام لالچ پیدا بھی میڈیا کے ذریعہ ہوتے ہیں اور پھر اس سب کو پختگی کی حد تک لے جانے میں تو میڈیا پہلے سے ہی کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اصل میں نہ تو ستائش کا حصول زندگی کا مقصد ہے، نہ ہی نمائش مقصد حیات ہے اور نہ ہی یہ سب لالچ انسان کی توجہ مقصد حیات کے طرف آنے دیتے ہیں بلکہ یہ سب Distractions ہیں جن کی وجہ سے انسان بھٹک جاتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ انسان کا اصل مقصد تو خالق حقیقی اللہ تعالی کی رضا کا حصول ہے، بجائے لوگوں کو خوش کرنے کی غرض سے زندگی گزارنے کے ہمیں تو خالق حقیقی کو خوش کرنے کے لیے زندگی گزارنا ہوتی ہے کہ جس نے زندگی عطا کی

ہے، ہمیں اشرف المخلوقات میں پیدا فرمایا ہے اور زندگی عطا کر دینے کے بعد پرورش کا سامان بہم پہنچایا ہے لیکن ہم بھٹک کر اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہو جاتے ہیں، لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننے کی غرض سے، لوگوں کو خوش کرنے لیے مادیت پرستی اور دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر ہم مقصد حیات کو بھلا بیٹھتے ہیں اور بجائے اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی کوشش کے ہم لوگوں کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

ہمیں اپنا رخ لوگوں سے ہٹا کر خالق حقیقی کی طرف موڑنا ہے جو اس لائق ہے کہ اسکی عطا کردہ زندگی، اُسی کی رضا کی تلاش میں گزاری جائے اور کوئی یہ سمجھے کہ اس نے رضائے الٰہی کے لیے زندگی گزار کر شاید حق ادا کر دیا ہے تو:۔

ے
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہمارا خودی کا سفر یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ہم نے وجود انسانی کی تخلیق اور اسکے خالق حقیقی سے بات شروع کر کے وجود انسانی کے وجود میں آجانے کے بعد پیش آنے والے مراحل میں ضرورت اور لالچ کو الگ الگ کر کے دیکھا کہ یہ دونوں الگ چیزیں ہیں، پھر ہم نے دولت کے لالچ کے پیچھے چھپے محرکات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک پہنچ کر یہ بات بالکل عیاں ہو جانی چاہیے کہ دولت بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اسکے پیچھے چھپے محرکات بری چیزیں ہیں اگر کسی کے پاس مال و دولت ہے اور وہ اِن سب چیزوں کا شکار نہیں ہے تو سونے پہ سہاگہ کے مترادف ہے گو کہ مشکل کام ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قطعی ناممکن بات ہے، دوسری طرف ایسے لوگ ہیں جن کے پاس دولت نہیں ہے لیکن وہ دولت کے لالچ میں مبتلا ہیں تو وہ بھی غلط روش اختیار کر چکے ہیں، دولت کا حصول اور بالخصوص اپنی خواہشات کے تابع آکر دولت کے حصول کی کوشش، مقصدِ حیات نہیں ہے اور نہ ہی اس مقصد کے لیے حاصل کی گئی دولت حاصلِ زندگی ہے بلکہ مقصد حیات، خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

ے
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن

من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی، جذب و شوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودا، مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا مَیں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے ، نہ من تیرا نہ تن

اللہ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، جس کو یہاں تک تھوڑی بہت بھی سمجھ آگئی ہے اس کے لیے خالق کا شکر بجالانا لازم ہے۔اور اللہ کی پاک ذات ہمیں سمجھنے، شکر بجالانے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

06۔غرور:۔

"غرور" سے مراد کسی انسان کا اپنے مادی وسائل یا اپنی کسی ذاتی خاصیت / خصوصیت پر اِترانا ہے۔جب کوئی انسان اپنے وجود پر اِتراتا ہے تو وہ "انا" بن جاتی ہے جس کے بارے میں ہم باب نمبر 2 میں بات کر چکے ہیں، اسی طرح کسی شخص کو اپنے مال و دولت کا غرور بھی لاحق ہو سکتا ہے اور کسی شخص کو اپنی کسی خاصیت و خصوصیت کا بھی غرور ہو سکتا ہے یعنی کسی کے پاس مال و دولت ہے اور اسے گھمنڈ ہے کہ جتنا مال و دولت اسکے پاس ہے وہ اسکے ارد گرد رہنے والے کسی دیگر شخص کے پاس نہیں ہے اور وہ اس چیز پر اِتراتا ہے تو وہ غرور کا شکار ہے، اسی طرح کسی شخص کو اپنی ذہانت پر غرور ہے کہ اسکے جیسا ذہین انسان اسکے ارد گرد بسنے والے دیگر انسانوں میں موجود نہیں ہے اور اسے اس بات کا گھمنڈ ہے، وہ اس بات پر اِتراتا ہے اور دوسروں کو خود سے کم تر محسوس کرتے ہوئے خود احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ اسکے غرور کا نتیجہ ہے۔اسی طرح کسی شخص کو اپنی جسمانی طاقت پر بھی غرور ہو سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں نے پہلی سطر میں عمومی طور پر مادی وسائل اور خصوصیت کے الفاظ میں اسکو سمیٹ دیا ہے کیونکہ یہ فہرست طویل ہے۔مثال کے طور پر مال و دولت میں کسی کو اپنے گھوڑے یا گاڑی کا غرور لاحق ہو سکتا ہے۔

اب مسئلہ کیا ہے؟ انسان کیونکر غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے؟

اور اگر آپ بھی کسی طرح کے غرور میں مبتلا ہیں تو کیوں ہیں؟

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم شعوری یا لاشعوری طور پر خالق و مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی کسی عنایت کو اپنی ملکیت سمجھ لیتے ہیں اور اسکو عنایت تسلیم نہیں کر رہے ہوتے اُس وقت غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ کسی بھی انسان کو جو بھی چیز عطا کی گئی ہے وہ خالق و مالک کی عطا کردہ ہے، یہ خالق و مالک کی تقسیم ہے کسی کو زیادہ عطا کر دے تو بھی عطا کر دینے پر قادر ہے اور کسی کو کم دے کر آزمائش میں ڈال دے یا اُس انسان کے حق میں جس کو کوئی چیز کم عطا کی گئی ہے، یہی کمی ہی بہتر ہو تو اسکی حکمت بھی خالق ہی جانتا ہے، انسان کے لیے تو ضروری ہے کہ جو چیز بھی اسے خالق کی طرف سے عطا کی گئی ہے چاہے مانگنے پر عطا ہوئی ہے یا بن مانگے عطا کر دی گئی ہے، انسان کو چاہیے کے وہ عطا کرنے والی ذات باری تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کئی لوگوں کو یہ عارضہ لاحق ہو جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ سب ان کی محنت کا نتیجہ ہے تو ایسے اشخاص کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ محنت کے اسباب کس نے مہیا کیے ہیں؟ آپ نے اگر محنت کی ہے تو ہاتھ پیر جن کے ذریعہ آپ نے محنت کی ہے وہ تو خالق کی عطا ہیں، خالق و مالک تو محروم کر دینے پہ قادر ہے لیکن اگر اس نے آپ کو محروم نہیں کیا ہے، آپ کو اعضاء بخشے ہیں اور سوچنے سمجھنے کے لیے عقل بھی دی ہے جس کے ذریعہ آپ سوچ سمجھ کر پھر کوئی عمل کرتے ہیں اور اسکو اپنی محنت کہتے ہیں تو محنت کرنے کے ذرائع / اسباب بھی تو اسکی عطا ہیں۔تھوڑا مزید اگر گہرائی میں چلے جائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ محنت کی توفیق بھی اسکی عطا ہے جو آپ کو محنت کی ہمت عطا کی گئی ہے وہ بھی اپنی جگہ نعمت کا درجہ رکھتی ہے، کئی لوگ ہاتھ پیر سلامت ہونے کے باوجود محنت نہیں کر پاتے کیونکہ ان کو محنت کی ہمت عطا نہیں کی گئی، تو پھر محنت کے اسباب اور اس محنت کرنے کی ہمت عطا کر دینے پر خالق و مالک کا شکر ادا کرنا لازم و ملزوم ہے۔

شکر کے بارے میں مَیں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ زبان کے ساتھ شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر طریقوں سے بھی شکر ادا کرنے کی ضرورت در پیش ہے، کسی کو شکر کے طور پر صدقہ خیرات کی استطاعت نہ ہے تو شکرانے کے نوافل ادا کیے جائیں اور استطاعت حاصل ہے تو شکرانے کے طور پر صدقہ و خیرات کی جائے تا کہ اپنے نفس کے شر سے محفوظ رہا جا سکے اور دل میں یہ خیال پختگی اختیار نہ کر سکے کہ یہ سب کچھ تو میری اپنی ملکیت ہے بلکہ رجوع الا اللہ قائم رہے جو کہ رہنا چاہیے۔

ؔ عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

07۔ تکبر:۔

"تکبر" جو ہے یہ "انا" اور "غرور" کا مرکب ہے۔جب کسی کے اندر "انا" گھر کر جائے اور پھر غرور، خاص طور پر مال و دولت کا غرور بھی ایسے شخص کو گھیر لے تو پھر اسکے متکبر ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے تاہم مال و دولت کا غرور ضروری نہیں ہے بلکہ اپنے کسی وصف کا غرور بھی انا کے ساتھ ملکر تکبر کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مال و دولت کے حصول سے صاحب ایمان گریزاں رہتے ہیں کیونکہ اسکے اثرات جو کہ اسکے استعمال پر منحصر ہیں، وہ برے سامنے آنے کا خدشہ لاحق رہتا ہے اور اسی خدشہ کے پیش نظر ہی مال و دولت کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان کا امتحان بن جاتا ہے۔ایک طرف مال و دولت کا تصرف امتحان بن جاتا ہے تو دوسری طرف اسکے زیر اثر اپنی نفسانی خواہشات کے حملوں سے بچنا امتحان بن جاتا ہے۔مادیت پرست معاشرے میں مال و دولت سے مادی وسائل بآسانی میسر آجاتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان کو اپنے آپ کو "غرور" سے محفوظ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ دولت کے زیر اثر مادی طور پر دوسرے لوگوں سے برتر نظر آنے کی وجہ سے ہر طرف سے تعریف بھی مل رہی ہو (جس کے لیے نفس ہر وقت اکساتا رہتا ہے، ستائش کا لالچ) اور پھر وہی تعریف کا سلسلہ دولت کے زیر اثر قائم رہے تو انسان کے لیے یہ خطرہ موجود ہے کہ وہ اس سب کو اپنی محنت کا شاخسانہ قرار دے کر یا خود کی صلاحیت قرار دے کر یا سب کچھ اپنی ملکیت سمجھ کر غرور میں بھی مبتلا ہو جائے، اور ایسی صورتحال میں دوسرے لوگوں سے خود کو برتر سمجھ کر اپنی ذات پر غرور میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

اور دونوں عوامل اکٹھے ہو جائیں تو نتیجہ تکبر کی صورت میں جا نکلتا ہے جس سے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔اسی لیے تکبر خطرناک ہے کیونکہ اس سے واپسی غرور اور انا کی نسبت مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ اسکے اندر دو یا زیادہ عوامل ایک ساتھ انسان کو گھیر لیتے ہیں۔
انسان کو یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ خود ایک تخلیق شدہ شے ہے، اسکو عطا کیا گیا علم بھی ایک نعمت ہے جو اسکی ذات پر مہربانی کی گئی ہے اور اسکو علم جیسی نعمت عطا کی گئی ہے اور اعضا جو عطا کیے گئے ہیں وہ بھی نعمتیں ہیں، رشتے جو عطا کیے گئے ہیں وہ بھی نعمت ہیں جو کہ عطا کیے گئے ہیں، اس دنیا کا مال و دولت عارضی ہے اور اصل ملکیت و حاکمیت اللہ کی پاک ذات کی ہے۔
میں اللہ کی پاک ذات کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے زندگی بخشی، مجھے صحیح سلامت پیدا فرمایا، مجھے ماں باپ بہن بھائی اور دیگر رشتوں سے نوازا، میرے پیدا ہونے اور پرورش کے اسباب پیدا فرمائے اور مجھے علم کی دولت سے نوازا، دلوں کو پھیر دینے والی قادر ذات کا شکر ہے کہ اس نے اپنی ذات کے علم سے نوازا، شکر ہے کہ میں اسکا شکر ادا کرتا ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شکر کی توفیق اسی کی طرف سے ہے اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں اللہ کی پاک ذات کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں میں چاہوں بھی تو مکمل صورت میں شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، بس اللہ تعالی کی الغفور والرحیم ذات میرا شکر کرنا قبول فرمائے۔(آمین)

08۔ حسد:۔

"حسد" دوسرے امراض سے قدرے مختلف ہے، جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو عطا کردہ کسی نعمت (خوبی / خاصیت / کامیابی / علم / مال / دولت یا کسی اور نعمت) کو دیکھ کر اس پر رشک کرنے کے ساتھ ساتھ اس خواہش میں مبتلا ہو جائے کہ کسی طرح اس شخص سے یہ سب چھن جائے تو اس کو "حسد" کہا جاتا ہے۔

اب یہاں پر کئی بھولے بھالے قارئین کو حاسدین کی سمجھ نہیں آئے گی کہ ایسے لوگ جو دوسروں سے حسد کرتے ہیں ان کے اندر یہ حسد کیونکر پیدا ہو جاتا ہے؟ آخر ایسے شخص کا کیا قصور ہے جسکے ساتھ وہ حسد کر رہے ہوتے ہیں؟

تو مسئلہ دراصل اس شخص کا نہیں ہوتا جس کے ساتھ وہ حسد کر رہے ہوتے ہیں بلکہ مسئلہ ان کے اپنے اندر ہوتا ہے، یا کوئی حاسد میری تحریر کو پڑھ رہا ہو تو اسکو سمجھنا چاہیے کہ ایک حاسد شخص کسی دوسرے شخص کو عطا کردہ نعمت کو جو کہ اللہ کی ذات کی طرف سے عطا کی گئی ہے، اُس نعمت کو دراصل اسکی محنت کا ثمر / نتیجہ سمجھ رہا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جبکہ ضرورت اس بات کو سمجھنے کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے اور ہمیں اسکی رضا کے ساتھ راضی رہنا ہے اگر خالق و مالکِ کائنات نے کسی کو کچھ بھی عطا کر دیا ہے چاہے وہ ذہانت، فصاحت، بلاغت، علم و حکمت ہو یا چاہے وہ مال و دولت ہو یہ سب اللہ کی عطا ہیں، اگر ایسے شخص نے محنت بھی کی ہے تو محنت کے اسباب اور توفیق اللہ کے محتاج ہیں جو کہ اللہ تعالی نے اُسے بہم پہنچائے ہیں، دراصل ایسے شخص کو نعمت عطا کرنے پر کسی بھی قسم کا اعتراض اللہ کے فیصلہ پر اعتراض کے مترادف ہے جو کہ ہرگز قابل قبول نہ ہے اور انتہائی حماقت میں مبتلا ہو جانے کے مترادف ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ مالکِ کل ہے اس سے مانگا جائے جب کسی کو عطا کی گئی نعمت پر انسان کو رشک ہو تو وہ اللہ کی ذات سے مدد و نصرت طلب کرے یا ویسی نعمت اللہ تعالی کی ذات سے مانگے جو کہ اس لائق ہے کہ اس سے مانگا جائے کہ وہ مالکِ کل ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والی ذات ہے۔ ایسے موقع پر جہاں کسی کو عطا کردہ نعمت پر رشک ہونے لگے تو ویسے شخص کے حق میں دعا کرنا افضل ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اُس شخص کو بھی اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے اور اسے غرور میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ اُس شخص کے حق میں دعا کرنے سے آپ کا حسد رفع ہو جائے گا اور آپ کا رشک اگر باقی بھی رہے گا تو آپ اس کے لیے اللہ تعالی سے مانگیں گے نہ کہ اُس شخص سے وہ نعمت چھن جانے کے عارضہ میں مبتلا ہوں گے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ صرف مادی نعمتوں کی وجہ سے ہی حسد کرے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز کر دیے جانے پر بھی حسد میں مبتلا ہو جائے۔

دراصل مسئلہ اُسی ستائش کے لالچ کا ہے، جب کوئی شخص کسی بھی دینی / دنیاوی اعتبار سے دوسرے شخص کے لیے ارد گرد کے اَور لوگوں کے منہ سے تعریف سنتا ہے اور ویسی ہی تعریف سننا اُسکی اپنی خواہش ہوتی ہے تو اُسے اُس شخص سے حسد ہونا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ایک رقابت جیسی فضا قائم ہو جاتی ہے اور رقیب سے رقابت کی وجہ سے حسد شروع ہو جاتا ہے۔

09۔ بغض:۔

اس ضمن میں حرف اول یہ ہے جو ہر صورت ذہن میں رکھا جائے گا کہ یہ لازمی بھی نہیں ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی سے بغض رکھتا ہو اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ ہر شخص سے بغض رکھنے والے لازماً موجود ہوں گے۔

"بغض" حسد سے بھی گھٹیا شے ہے، لیکن بغض کی ابتدا حسد ہے، بغض اصل میں ہے کیا؟ بغض یہ ہے کہ کوئی شخص جو کسی دوسرے شخص سے حسد کرتا ہے وہ اپنے حسد کے تابع آکر اُس دوسرے شخص کو نقصان یا زِق پہنچانے کے لیے جب عملی اقدام شروع کردے تو وہ بغض میں مبتلا ہو چکا ہوتا ہے۔ یعنی کسی کے خلاف خواہ مخواہ کا وَیر پال لینا بغض ہے حالانکہ ایسے شخص نے نہ تو بغض رکھنے والے شخص کا کچھ بگاڑا، نہ اسکی تضحیک و تمسخر کیا بلکہ وہ اپنی زندگی جی رہا ہے اور بغض رکھنے والے اسکی ٹانگیں کھینچنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اسکا حل کیا ہے؟ اسکا حل کسی انسان کے اپنے پاس نہیں ہے کہ وہ بغض رکھنے والے شخص کے دل پر اختیار نہیں رکھتا ہے، یہاں مسئلہ وہی ہے جو حسد میں زیر بحث آچکا ہے اور چونکہ بغض کی ابتدا بھی حسد ہے تو جب تک حسد دور نہیں ہو گا تب تک بغض نہیں مٹے گا۔ اور حسد کے خاتمے کے لیے اللہ کی پناہ تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ دلوں کو پھیر دینے کا اختیار اللہ سبحان و تعالی کی ذات کے پاس ہے وہ چاہے تو کسی کے دل میں اپنی محبت پیدا کر دیتا ہے، وہ چاہے تو دو انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پائی جانے والی نفرت کو محبت میں بدل دیتا ہے۔

جب آپ کو پتہ بھی ہو کہ کوئی شخص آپ کے ساتھ حسد رکھتا ہے یا بغض پر اتر آیا ہے تو پھر بھی آپ اسکو یہ باور کروانے کی بجائے اسکے حق میں خالقِ حقیقی اللہ کی ذات کے حضور دعا کریں گے کہ اے اللہ تو اسکے دل سے مرض دور فرما اور اپنے حق میں یہ دعا کریں گے کہ مجھے اسکے حسد کے شر سے اور تمام حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھ۔ بالعموم بھی یہ دعا خالقِ حقیقی اللہ سبحان و تعالی کی ذات سے مانگنا اپنا شعار بنا لینا چاہیے کیونکہ کسی انسان کا حسد اُسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ بغض کی شکل اختیار کر جاتا ہے لیکن ہم بغض کی حد تک پہنچ جانے سے پہلے غیب کے علم اور ایسے شخص کے دل کا حال جاننے سے قاصر ہوتے ہیں مگر اللہ کی پاک ذات تو سب کچھ جانتی ہے کہ کس کے دل میں کیا مرض ہے تو ضروری ہے کہ ہر وقت اللہ تعالی کی ذات سے دعا مانگی جائے کہ "اے اللہ! مجھے حاسدوں کے حسد کے شر سے محفوظ رکھ"۔ اللہ تعالی کی ذات آپ کے دل کو، میرے دل کو اور کسی بھی شخص کے دل کو موڑ دینے پر قدرت رکھتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کی پاک ذات ہمیں حسد کے شر میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھے اور حاسدوں کے شر سے بچائے رکھے۔ (آمین)

دیگر عوامل پر بحث باقی ہے جو کہ انشاء اللہ تکمیل کر کے ساتھ ساتھ upload کی جاتی رہے گی، فی الوقت کے لیے ریکارڈ اور مواد کو ضیاع سے بچانے کی غرض سے upload کر دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ نیک نیتی بھی شامل ہے کہ جو لوگ راہ حق کی تلاش میں ہیں وہ اگر تلاش کرتے کرتے اس تحریر تک پہنچ پائیں تو وہ بھی استفادہ کر لیں، بجائے اس کے کہ تکمیل ہونے تک تقسیم علم کو مرحلہ رکا رہے۔۔۔۔۔

میری اللہ پاک کی ذات سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو حق کی پہچان عطا فرمائے، صراط مستقیم کی پہچان عطا فرمائے اور صراط مستقیم کو پہچان لینے کے بعد اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عمل میں استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین